لکھنؤ

# تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

## تاریخ کا نیا عنوان اور انسانیت کی حد فاصل

حضرت ابراہیمؑ اور ان کی دعوت اور جد وجہد کتاب انسانیت کا نیا، روشن اور تابناک عنوان ہے، اس سے ایک تاریخ دوسری تاریخ سے جدا ہوتی ہے، پوری انسانیت دو کیمپوں اور دو محاذوں میں بٹ جاتی ہے جو زمانہ کے ساتھ ہمیشہ باقی رہتے ہیں اور ان کی کشمکش بھی جاری رہتی ہے، اس سے پرانا دور ختم ہوتا ہے اور نیا دور شروع ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو لازوال امامت اور ابدی دعوت سے نوازا، ان کی نسل کے لئے نبوت اور ولایت اور دنیا کی دینی پیشوائی اور قیادت ہمیشہ کے لئے لکھدی اور ان کے خاندان اور متبعین کے لئے فیصلہ فرمادیا کہ حق کے لئے جہاد و سرفروشی، باطل کے ساتھ مستقل کشمکش، دعوت الی اللہ، انسانیت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو تیز وتند دھاروں اور سخت تھپیڑوں کے باوجود پار لگانے کی ذمہ داری اور ہوا کے جھونکوں سے اس چراغ زندگی کی حفاظت ہمیشہ ان ہی کے سر رہے گی جس پر انسانیت کے پورے قافلہ کی نجات کا انحصار ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

فی شمارہ =/12₹

۱۰/ اکتوبر ۲۰۱۲ء

سالانہ زر تعاون -/250

پندرہ روزہ
# تعمیرِ حیات
لکھنؤ

جلد نمبر ۴۹ | ۱۰/اکتوبر ۲۰۱۲ء مطابق ۲۳/ذی القعدہ ۱۴۳۳ھ | شمارہ نمبر ۲۳

## اِس شمارے میں


**شعروادب**
مدینہ کی ہے وہ پاکیزہ بستی — مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ — ۲

**اداریہ**
حج وقربانی-تسلیم وخود سپردگی — شمس الحق ندوی — ۳

**روح پرور**
عشاق ومحبین کے چند واقعات — حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ — ۵

**چشم کشا**
قربانی کا اقتصادی پہلو — علامہ سید سلیمان ندویؒ — ۸

**شانِ یکتائی**
حجۃ الوداع — حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی — ۱۱

**راہ عمل**
مدارس میں نئے تجربے کی ضرورت — مولانا سید محمد الحسنیؒ — ۱۶

**سنت ابراھیمی**
قربانی-فضائل ومسائل — مولانا محمد زکریا سنبھلی ندوی — ۱۸

**سخن دلپذیر**
علم کے بڑے درجے ہیں — مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی — ۲۱

**فقہ و فتاویٰ**
سوال وجواب — مفتی محمد ظفر عالم ندوی — ۲۵

**آداب وفضائل**
عشرۂ ذی الحجہ-فضائل واعمال — خالد فیصل ندوی — ۲۶

**تجدید عہد**
یوم عرفہ کا پیغام — راشد نسیم — ۲۹

**خبرو نظر**
عالم اسلام — جاوید اختر ندوی — ۳۱


زیر سرپرستی
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مولانا مفتی محمد ظہور ندوی
(نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

زیر نگرانی
مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی
(ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول
شمس الحق ندوی

نائب مدیر
محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت
• مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی • مولانا خالد ندوی غازی پوری
• نعیم الرحمن صدیقی ندوی

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ
Tameer-e-Hayat
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-226007
E-mail: nadwa@sancharnet.in, Ph: (0522) 2740406
مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

سالانہ زرتعاون -/250 | فی شمارہ -/12 | ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے -50$ ڈالر

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques

آپ کے خریداری نمبر کے نیچے اگر لال لکیر ہے تو سمجھئے کہ آپ کا زرتعاون ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ اگر موبائل یا فون نمبر ہو تو اپنے شہر کے کوڈ نمبر کے ساتھ لکھئے۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

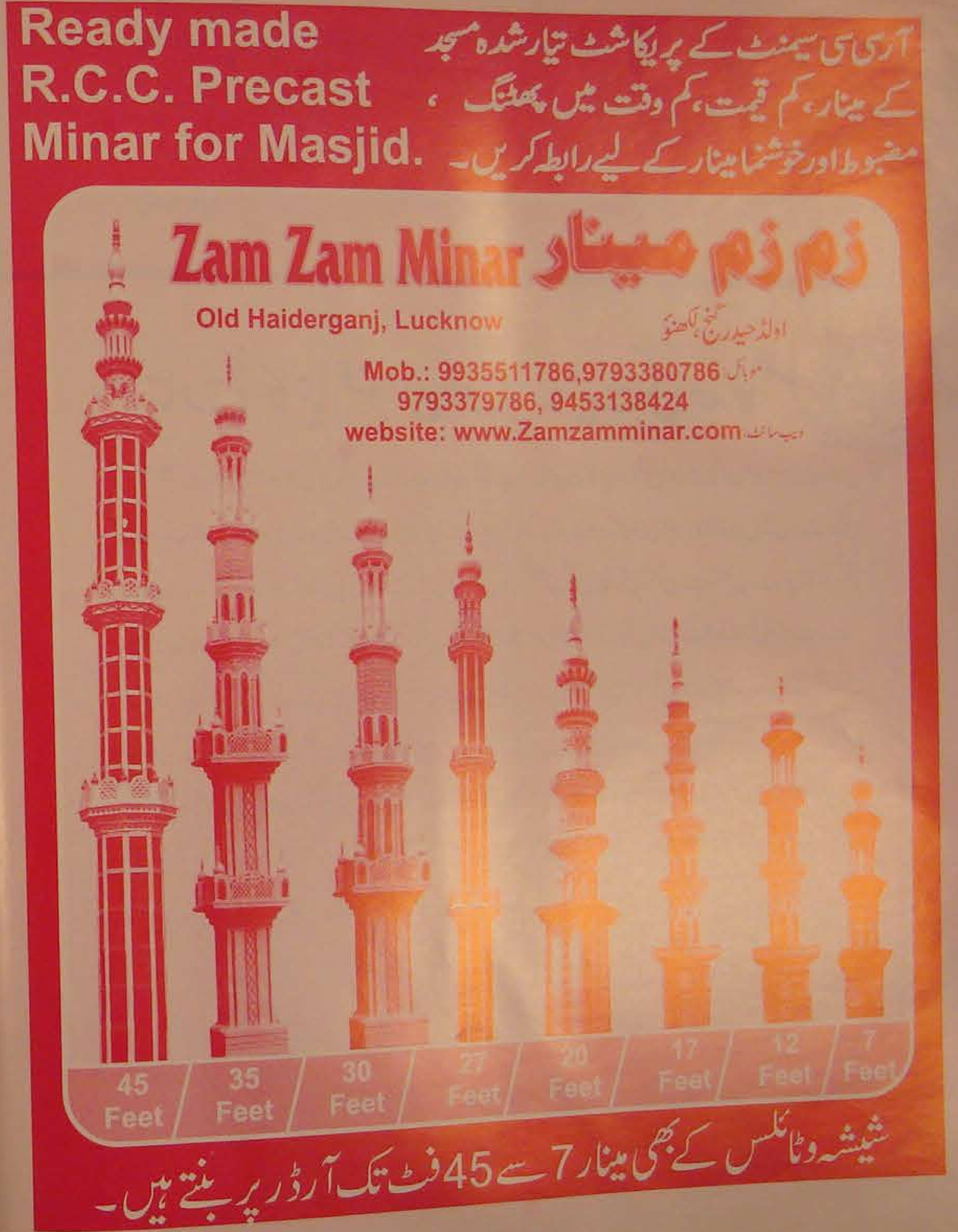

شعروادب

# مدینہ کی ہے وہ پاکیزہ بستی

مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ

جہاں ہے نور کا اک شامیانہ    جہاں پر ہے سجی بزم شہانہ
جہاں لعل و گہر کا ہے خزانہ    جہاں کا ہے مبارک ہر زمانہ
مدینہ کی ہے وہ پاکیزہ بستی
جہاں دن رات رحمت ہے برستی

جہاں کی رات بھی دن سے منور    جہاں کا خار بھی گل سے ہے بہتر
جہاں ملتے ہیں جھک کر ماہ و اختر    جہاں کا ہر مکیں محبوب و دلبر
مدینہ کی ہے وہ پاکیزہ بستی
جہاں دن رات رحمت ہے برستی

جہاں کی ہر گلی دار الشفا ہے    جہاں کا چپہ چپہ دلکشا ہے
جہاں کی دلنواز آب و ہوا ہے    جہاں کا لحہ لحہ جاں فزا ہے
مدینہ کی ہے وہ پاکیزہ بستی
جہاں دن رات رحمت ہے برستی

جہاں ہے اہل دل کی ایک بستی    جہاں معدوم ہے باطل پرستی
جہاں چھائی ہے دل پر کیف ومستی    جہاں حاصل ہے حق کو بالادستی
مدینہ کی ہے وہ پاکیزہ بستی
جہاں دن رات رحمت ہے برستی

جہاں ہوتا ہے دل سے دور کینہ    جہاں آتا ہے جینے کا قرینہ
جہاں ملتا ہے دل کو اک سکینہ    جہاں کا ذرہ ذرہ ہے نگینہ
مدینہ کی ہے وہ پاکیزہ بستی
جہاں دن رات رحمت ہے برستی

رہے آرام گاہ شاہ لولاک    رہے وہ مرکز اصحاب ادارک
وہاں کا عالم پاک اور ہم خاک    چہ نسبت خاک را با عالم پاک
مدینہ کی ہے وہ پاکیزہ بستی
جہاں دن رات رحمت ہے برستی





اداریہ

# حج وقربانی-تسلیم وخود سپردگی

شمس الحق ندوی

رمضان المبارک میں مسلمانوں کو، مردوں اور عورتوں سب کو، جو عاقل وبالغ ہوں، بیمار اور بہت زیادہ بوڑھے نہ ہوں کہ بھوک ذرا دیر بھی برداشت نہ کرسکیں، روزہ رکھنے کا حکم تھا، اس روزہ سے مقصود صرف بھوکا رہنا نہ تھا، بلکہ اس سے ایک خاص روحانی تربیت مقصود تھی کہ جس طرح بندہ نے زندگی کے سارے مشاغل و ہنگاموں کے ساتھ پورا ایک مہینہ ہر قسم کی احتیاط کے ساتھ گذار لیا، غیبت وبدکلامی سے پرہیز کیا، کسی کو ظلم وستم کا نشانہ بنانے، کسی کا حق مارنے اور دھوکا دینے سے احتیاط کی، غریبوں اور محتاجوں کی ضرورت پوری کرنے میں حوصلہ مندی دکھائی، ناچ گانے اور دیگر فحش کاموں سے بچا، اگر وہ ہمت سے کام لے اور تھوڑے سے عزم کا مظاہرہ کرے، تو پوری زندگی اسی طرح گذار سکتا ہے اور دنیا کی دیگر بے لگام قوموں کے درمیان ایک ایسے مثالی اور دلکش انسانی سماج ومعاشرہ کا نمونہ پیش کرسکتا ہے، جس کا ہر فرد دوسرے فرد کا ہمدرد وبہی خواہ ہوتا ہے، رات کے اندھیروں میں بھی، گھروں کے دروازے کھلے رہتے ہیں اور سب کچھ محفوظ رہتا ہے، نہ چوری ہے، نہ ڈاکہ، بلکہ اس سماج کا ہر فرد سپاہی وچوکیدار ہے، جب ہر فرد سپاہی وچوکیدار کا رول ادا کرے تو چوری وڈاکہ کی ہمت کون کرے گا؟ اس نمونہ کی بستی میں اگر کوئی ایک بیمار پڑے تو پورا محلہ اس مریض کے لیے فکر مند نظر آتا ہے، کوئی فقر وبدحالی سے دوچار ہو تو ہر ایک رات کے اندھیرے میں چپکے سے اس کی مدد کو حاضر، سفر میں ہو تو پورے محلہ کے لوگ اس کے گھربار اور بال بچوں کے ہر کام کو انجام دینے کے لیے تیار، غرض یہ کہ ہر ایک دوسرے کا ہمدرد وخیر خواہ، ہر چہار طرف محبت وخوش اخلاقی اور سکون واطمینان کا ماحول۔

رمضان گذر جاتا ہے تو سال بھر کے بعد آتا ہے جو مشق وتربیت ہوئی تھی، اگر مختلف طریقوں سے اس کو تازہ نہ کیا جاتا رہے تو انسان جس میں بھول وغفلت کا مادہ ہے: "الانسان مرکب من الخطأ والنسیان" دنیا کے جھمیلوں میں جہاں جہاں طرح طرح کے خطرات کبھی جاہ ومنصب کی شکل میں، کبھی شہرت وناموری کی صورت میں، کبھی حرام وحلال کی تمیز کے بغیر بے تحاشا مال ودولت جمع کرنے کی حرص وہوس کی شکل میں سامنے آکر رمضان المبارک کی تربیت کے اثر کو کمزور کرنے لگتے ہیں، لہٰذا دوسرے عنوان اور دوسری صورت میں اس تربیت کو باقی رکھنے کا خدائی انتظام کیا جاتا ہے۔

یہ نظام حج وقربانی کی صورت میں رمضان المبارک کے صرف سوا دو ماہ کے بعد آجاتا ہے، حج اگرچہ ہر مسلمان نہیں کرسکتا اور نہ ہی ہر ایک کو ہر سال اس کا مکلف بنایا گیا، لیکن اس سے عشق وسرمستی کی ایک فضا ضرور قائم ہوجاتی ہے، جو مسلمان حج کو نہیں جاسکے، اب ان میں جو صاحب نصاب ہیں، ان پر قربانی فرض کرکے اور حج کے دس دنوں میں پہلی ذی الحجہ سے دسویں ذی الحجہ تک جب تک اپنی قربانی نہ کرلیں، حاجیوں کی مشابہت ومماثلت اپنانے اور اس یاد کو دیار حرم سے دور رہتے ہوئے بھی تازہ کرنے کے لیے بال کٹوانے، ناخن ترشوانے سے رُکے رہتے ہیں، جو مسلمان قربانی کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے، ان کے لیے ان دس دنوں کی خیر وبرکت روزہ اور نوافل کے ذریعہ حاصل کرنے کے لیے رحمت خداوندی کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

قربانی میں بظاہر تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ایک جانور ذبح کررہا ہے، لیکن حقیقت قربانی کچھ اور ہی ہے، جو بندۂ مومن کی تربیت کے لیے اپنے اندر بڑے رموز واسرار کی حامل ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں حضرت اسماعیلؑ کے ذبح وقربان کردینے کا جو حکم ملا تھا وہ جسمانی قربانی سے بڑھ کر رمز تھا بڑی روحانی قربانی کا، انسان کو دنیا میں سب سے زیادہ اپنی اولاد عزیز ہوتی ہے حتی کہ ایک وقت اس کی زندگی کی ساری تگ ودو اولاد ہی کے لیے مرکوز ہوکر رہ جاتی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن پر چھری چلادینا رمز تھا، اس کا کہ ان کی پوری زندگی احکام خداوندی کی تعمیل کے لیے وقف ہے، چنانچہ وہ اپنے ہرے بھرے اور شاداب وسدابہار ملک شام کو چھوڑ کر مکہ کی بے آب وگیاہ سرزمین میں آباد ہوئے، اور اللہ کا نام بلند کرنے اور اس کے گھر کو

بندوں کی جبینوں سے آباد کرنے کے لیے وہیں رہ پڑے، اوران کی اولاد بعثت نبوی تک وہیں آباد رہی حتیٰ کہ نبوت کا بدر کامل محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں وہیں چمکا اور ساری دنیا کو چمکا دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ قربانی آنے والی نسلوں کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتی تھی، لہٰذا اس یاد کو زندہ رکھنے کے لیے جانور کی قربانی فرض کردی گئی کہ جب بندہ مومن قربانی کرے تو وہ ذبح عظیم اس کے سامنے تازہ ہوجائے، جو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنی پوری زندگی کو اللہ کے نام پر اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں گذار کر پیش کی کہ ہر بندۂ مومن اس نمونہ کامل کو تازہ کرکے اس کو نمونہ بنا کر اللہ کے نام کو روشن کرنے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کردے، اگر جاہ و منصب کی طلب اس کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہو، تو اس کو خیرباد کہے، شہرت ونمود کا شوق اس راہ میں حارج ہورہا ہو تو اسے بھی چھوڑ دے، مال و دولت کی طلب و لالچ اس راہ میں رکاوٹ بن رہی ہو، بلکہ اس زبردست قربانی کو داغ لگا رہی ہو تو اس سے بھی ہاتھ جھاڑ لے۔

آج اگر ہم اس آئینہ میں اپنی تصویر دیکھنا چاہیں تو ہماری صورت بہت بگڑی ہوئی نظر آتی ہے، عوام تو عوام، خواص کا یہ حال ہے کہ اپنی اَنا کے لیے، اپنی شہرت و ناموری کو بچانے یا اس کو حاصل کرنے کے لیے، اسی طرح حصول مال وزر اور شان وشوکت کے لیے اگر ملت کے بڑے سے بڑے مفاد کو قربان کردینا پڑے تو اس میں باک نہیں ہوتا، کہاں وہ روحانی قربانی کہ جس کے لیے سب کچھ قربان کردیا گیا، اور کہاں یہ عالم کہ چند روزہ زندگی کے مفاد و ناموری کے لیے اس بڑی قربانی ہی کو قربان کردیا جائے، اس سیاق میں اگر ہم اپنی عید قرباں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ جانور کی شکل میں مادی وجسمانی قربانی تو ہم کرتے ہیں مگر روحانی قربانی کا خیال تک نہیں آتا، کتنا افسوس ناک ہے ہمارا یہ حال کہ جانور کی قربانی تو سال میں ایک بار کرتے ہیں اور معنوی وروحانی قربانی کو ہمہ وقت قربان کرتے رہتے ہیں، پھر قربانی کے وہ فوائد کہاں سے ہوں جن کے لیے جانور کی یہ قربانی فرض کی گئی ہے۔

ہم نے قربانی کی صورت کو تو اپنایا ہے، مگر اس کی حقیقت کو نظر انداز کردیا ہے، اسی لیے ہم اپنے ہر منصوبہ میں ناکام، بلکہ دوسروں کے غلام بے دام بنے ہوئے ہیں یا بن جاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

## مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا طلبائے مدارس سے فکر انگیز خطاب

عزیزو! تم اپنی قیمت پہچانو، تمہارے مستقبل کی ضمانت پیغمبر اور خدائے لازوال نے لی ہے، بس شرط یہ ہے کہ تم ہیرے کو واقعتاً ہیرا بنالو، پتھر ایک بار نہیں، کئی بار ٹوٹتا ہے اور بنتا ہے، شیشہ بھی ٹوٹتا ہے اور بنتا ہے، لیکن ہیرا صرف ایک بار ہی بن سکتا ہے، ٹوٹ کر یا چٹک کر وہ دوبارہ نہیں بن سکتا، اگر تم اچھا بننا چاہو گے تو تمہیں کوئی روک نہیں سکتا اور نہ بننا چاہو گے تو مشیت الٰہی کے علاوہ کوئی شے تم کو بنا نہیں سکتی، حیرت کی بات یہ ہے کہ ابولہب اور ابوجہل کے قماش کے لوگ اور اس جماعت کے لوگ میدان میں ہوں اور وہ امت مسلمہ کو، مسلمانوں کو، دین اسلام کو نقصان پہنچانے پر کمربستہ ہوں اور امت مسلمہ کے نوجوانوں میں پژمردگی پائی جاتی ہو، بزدلی پائی جاتی ہو، سستی پائی جاتی ہو، آج نہیں کل کریں گے، آج نہیں کل پڑھ لیں گے، آج نہیں کل اپنی شخصیت کو بنالیں گے اور دن گزر جائیں گے، کچھ دن کھا پی لیں، کچھ دن آرام کرلیں تو یہ کتنی خطرناک بات ہے؟ اس کام کو انجام دینے کے لیے، طوفانوں کا رخ پھیرنے کے لیے، ان خطرات کو دور کرنے کے لیے، کالجوں کے طلباء نہیں آئیں گے، یونیورسٹیوں کے طلباء نہیں آئیں گے، ان کا رخ موڑنے کے لیے، اس سے پنجہ آزما ہونے کے لیے مدارس عربیہ ہی کے نوجوان سامنے آئیں گے اور یہی سامنے آتے رہے ہیں، آپ کا مقام یہ ہے اور آپ اس لیے آئے ہیں، آپ اس لیے تیار ہونا چاہتے ہیں، اس لیے اپنے کو بنانا چاہتے ہیں، اس لیے ان علوم کو حاصل کرنا چاہتے ہیں، ان سے اپنی شخصیت کی تعمیر کریں اور حالات سے ٹکرلیں، آپ دنیا سے رخ پھیر لیجیے، ان وساوس کو اپنے ذہنوں سے نکال دیجیے کہ فارغ ہونے کے بعد ہم کیا کریں گے؟ ہم کو کون سی نوکری ملے گی؟ ہماری کیا قدر و قیمت ہوگی، مدارس عربیہ سے نکلنے کے بعد ہمارا کیا مقام اور وقار ہوگا؟ ہم کو کس نگاہوں سے دیکھا جائے گا؟ ہمارے سادہ معمولی لباس کو کس نظر سے دیکھا جائے گا؟ یہ وسوسے آپ اپنے ذہنوں سے نکال دیں اور یکسو ہوکر اس علم کی قدر و قیمت کو پہچان کر، وراثت نبوت کے مقام کو پہچان کر یکسوئی کیساتھ آپ ان علوم کے حصول میں لگ جائیں۔

☆☆☆





روح پرور

# عشاق ومحبین کے چند واقعات

● ............حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ

☆ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن بیت اللہ شریف کا طواف کررہا تھا، لوگوں کی آنکھیں بیت اللہ پر لگ رہی تھیں جس سے آنکھوں کو سکون مل رہا تھا کہ دفعۃً ایک شخص بیت اللہ کے قریب آئے اور یہ دعا کرنے لگے: اے میرے رب! تیرا مسکین بندہ جو تیرے دربار سے دھتکارا ہوا ہے، اور تیرے در سے بھاگا ہوا ہے، اے اللہ! میں تجھ سے وہ چیز مانگتا ہوں جو سب سے زیادہ تجھے محبوب ہو، اے اللہ! میں تجھ سے تیرے برگزیدہ بندوں کے طفیل اور تیرے انبیاء کے وسیلہ سے یہ مانگتا ہوں کہ اپنی محبت کی شراب کا ایک پیالہ مجھے پلادے اور میرے دل پر سے اپنی معرفت سے جہل کے پردے ہٹادے تاکہ میں شوق کے بازوؤں سے اڑ کر تیرے تک پہونچ جاؤں اور عرفان کے باغوں میں تیرے سے سرگوشیاں کروں، اس کے بعد وہ شخص اتنا روئے کہ آنسو ٹپ ٹپ زمین پر گر رہے تھے، پھر ہنسے اور چل دیے۔

ذوالنون فرماتے ہیں کہ میں ان کے پیچھے چل دیا اور میں اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ یہ شخص یا تو بڑا کامل ہے یا کوئی پاگل ہے، وہ مسجد سے باہر نکل کر ایک ویرانہ کی طرف چل دیے، میں پیچھے پیچھے جارہا تھا، وہ مجھ سے کہنے لگے کہ تمہیں کیا ہوا؟ کیوں چلے آرہے ہو؟ اپنا کام کرو، میں نے پوچھا: اللہ تم پر رحم کرے، تمہارا کیا نام ہے؟ کہنے لگے: عبداللہ (اللہ کا بندہ)، میں نے پوچھا کہ آپ کے والدین کا کیا نام ہے؟ کہنے لگے: عبداللہ، میں نے کہا یہ تو ظاہر ہے کہ سب اللہ کے بندے ہیں اور اللہ کے بندوں کی اولاد ہیں، تمہارا کیا نام کیا ہے؟ کہنے لگے کہ میرے باپ نے میرا نام سعدن رکھا تھا، میں نے کہا جو سعدن مجنوں کے نام سے مشہور ہیں؟ کہنے لگے: ہاں! وہی ہوں، میں نے پوچھا کہ وہ کون برگزیدہ لوگ ہیں جن کے وسیلہ سے تم نے دعا کی؟ کہنے لگے: وہ لوگ ہیں جو اللہ کی طرف ایسے چلتے ہیں جیسے وہ شخص چلتا ہے جس نے عشق کو اپنا نصب العین بنا رکھا ہے اور وہ دنیا سے ایسے الگ ہوگئے ہوں جیسے وہ شخص ہو جس کے دل کو کسی چیز نے پکڑ لیا ہو، اس کے بعد وہ کہنے لگے کہ ذوالنون! میں نے سنا ہے تم یہ کہتے ہو کہ میں اسباب ومعرفت سننا چاہتا ہوں، میں نے کہا: آپ کے علوم سے تو نفع پہونچنا ہی چاہیے، تو انہوں نے دو شعر عربی کے پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ عارفین کے دل ہر وقت مولا کی یاد میں مشتاق رہتے ہیں اور اشتیاق میں نالہ کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے قرب میں منزل بنالیتے ہیں، اپنے مولا کے عشق میں ایسے خلوص سے لگتے ہیں کہ اس کے عشق سے ہٹانے والی ان کے لیے کوئی چیز نہیں رہتی۔ [روض/۲۳]

☆ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ تنہا حج کو گیا اور مکہ مکرمہ میں کچھ قیام کرلیا، میری عادت تھی کہ جب رات کا اندھیرا زیادہ ہو جاتا تھا تو میں طواف کیا کرتا، ایک مرتبہ میں نے ایک نوعمر لڑکی کو دیکھا کہ وہ طواف کررہی ہے اور یہ اشعار گا رہی ہے:

أبى الحب أن يخفى وكم قد كتمته
(میں نے اپنے عشق کو کتنا چھپایا مگر وہ اب کسی طرح مخفی نہیں رہتا)۔

فاصبح عندي قد أناخ وطنبا
(اب تو اس نے کھلم کھلا میرے پاس ڈیرہ ڈال دیا)۔

اذا اشتد شوقي هام قلبي بذكره
(جب معشوق کے شوق کا مجھ پر غلبہ ہوتا ہے تو میرا دل اس کے ذکر سے پھڑکنے لگتا ہے)۔

وان رمت قربا من حبيبي تقربا
(اور اگر میں اپنے محبوب سے قربت چاہتی ہوں تو وہ فوراً مجھ سے تقرب کرتا ہے)۔

ويبدو فافنى ثم أحيا به له
(اور جب وہ ظاہر ہوتا ہے تو میں اس میں فنا ہوجاتی ہوں)۔

ويسعدني حتى الذ واطربا
(اور پھر اسی کے لیے اس کی بدولت زندہ ہوجاتی ہوں، وہ میری حاجت روائی کرتا ہے حتیٰ کہ میں خوب لذت پاتی ہوں اور مزے میں آجاتی ہوں)۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں، میں نے اس سے کہا: اے لڑکی! تو اللہ سے نہیں ڈرتی، ایسی بابرکت جگہ ایسے شعر پڑھتی ہے، وہ میری طرف متوجہ ہوئی اور کہنے لگی کہ جنید!

لولا التقى لم ترني اهجر عن طيب الوسن

(اگر اللہ کا ڈر نہ ہوتا تو تو مجھے نہ دیکھتا کہ میں میٹھی نیند کو چھوڑ کر پھرتی ہوں)۔

ان التقی شردنی کما تریٰ عن وطنی

(تو تو دیکھ ہی رہا ہے کہ اللہ کے خوف ہی نے مجھے میرے وطن سے ڈھکیلا اور بھگایا ہے)۔

افر من وجدی بہ فحبہ ھیمنی

(اس کا عشق میرے ساتھ لگا ہوا ہے، جس کی وجہ سے میں بھاگی پھر رہی ہوں اور اسی کی محبت نے مجھ کو حیران و پریشان کر رکھا ہے)۔

اس کے بعد اس نے پوچھا کہ جنید! تم اللہ کا طواف کرتے ہو یا بیت اللہ کا طواف کرتے ہو، میں نے جواب دیا کہ بیت اللہ شریف کا طواف کرتا ہوں، تو اس نے اپنا منہ بیت اللہ شریف کی طرف کیا اور کہنے لگی: سبحان اللہ! آپ کی بھی کیا عجیب مشیت ہے جو مخلوق خود پتھر جیسی ہے وہ پتھروں ہی کا طواف کرتی ہے، اس کے بعد اس نے تین شعر اور پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ لوگ پتھروں کا طواف کرکے آپ کا قرب ڈھونڈتے ہیں، ان لوگوں کے دل خود بھی پتھروں سے زیادہ سخت ہیں اور حیرانی میں حیران و پریشان گھوم رہے ہیں اور پھر اپنے خیال میں تقرب کے محل میں اترے ہوئے ہیں، اگر یہ لوگ اپنے عشق میں سچے ہوتے ہیں تو ان کی صفات اپنی تو غائب ہو جاتیں، اور اللہ کی محبت کی صفات ان میں پیدا ہو جاتیں، حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی اس گفتگو سے غش کھا کر گر گیا، جب مجھے غشی سے افاقہ ہوا تو وہ لڑکی جا چکی تھی۔[روض]

☆حضرت بشر حافیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عرفات کے میدان میں شام کے وقت ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نہایت بے تابی سے رو رہا ہے، اور بے چینی سے روتے ہوئے چند شعر پڑھ رہا ہے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ کتنی پاک ذات ہے، وہ ہر عیب سے پاک ہے، اگر ہم کانٹوں پر اور گرم سوئیوں پر اس کے سامنے سجدے میں گریں تب بھی اس کی نعمتوں کے حق کا عشر عشیر بھی ادا نہ ہو، بلکہ عشر عشیر کا عشر عشیر بھی ادا نہ ہو، اس کے بعد انھوں نے یہ شعر پڑھے۔

کم قد زللت فلم اذکرك فی زللی
وأنت یامالکی بالغیب تذکرنی
کم اکشف الستر جھلاً عند معصیتی
وأنت تلطف بی حلماً وتسترنی

ترجمہ: اے پاک ذات! میں نے کتنی مرتبہ لغزشیں کیں اور کبھی اپنی لغزشوں میں تجھے یاد نہ کیا اور مالک تو مجھے غائبانہ ہمیشہ یاد کرتا رہا، میں اپنی جہالت سے کتنی مرتبہ گناہوں کی پردہ دری کر چکا ہوں اور تو اپنے حلم کے ساتھ مجھ پر لطف و مہربانی کرتا ہے اور میری پردہ پوشی کرتا ہے۔

حضرت بشر حافیؒ کہتے ہیں کہ پھر وہ میری نظروں سے غائب ہو گئے، میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ تھے؟ تو معلوم ہوا کہ وہ ابو عبید خواصؒ تھے جو ممتاز بزرگوں میں ہیں، ان کے متعلق مشہور ہے کہ ستر برس تک آسمان کی طرف منہ نہیں اٹھایا، کسی نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ اتنے بڑے محسن کی طرف اس سیاہ منہ کو اٹھاؤں؟ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اللہ کے فرماں بردار بندے تو اس قدر عاجزی کریں اور اپنی حسن عبادت کے باوجود اللہ جل شانہ سے اس قدر شرمائیں اور گناہ گار اپنے گناہوں پر نہ شرمائیں اور ناز کریں، یا اللہ! اپنے پاک چہرے کی طرف نظر کرنے سے قیامت میں ہم کو محروم نہ کیجیے اور اپنے صالح بندوں کی برکات سے ہمیں بھی متمتع فرما اور دارین میں ان کے زیر سایہ رکھ۔ [روض/۵۷]

☆حضرت مالک ابن دینارؒ فرماتے ہیں کہ میں حج کے لیے جا رہا تھا، راستہ میں ایک جوان کو دیکھا کہ پیدل چل رہا ہے، نہ تو اس کے پاس سواری، نہ توشہ، نہ پانی، میں نے اس کو سلام کیا، اس نے سلام کا جواب دیا، میں نے کہا جوان! کہاں سے آ رہے ہو؟ کہنے لگا، اسی کے پاس سے میں نے کہا: کہاں جا رہے ہو؟ کہا: اسی کے پاس، میں نے کہا توشہ کہاں ہے؟ کہا اسی کے ذمہ، میں نے کہا یہ راستہ بغیر توشہ اور پانی کے طے نہیں ہوگا، آخر تیرے ساتھ کچھ ہے بھی؟ ﴿کھٰیٰعص﴾ اس نے کہا میں نے سفر کے شروع کے وقت پانچ حرف توشہ کے لیے پکڑ لیے تھے، میں نے پوچھا کہ وہ پانچ حرف کون سے ہیں؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ﴿کھٰیٰعص﴾ میں نے پوچھا اس کے کیا معنیٰ ہوئے؟ کہنے لگا کہ ”کاف“ کے معنیٰ ”کافی“ (کفایت کرنے والا)، ”ھ“ کے معنیٰ ”ہادی“ (ہدایت کرنے والا) ”یا“ کے معنیٰ ”مؤوی“ (ٹھکانہ دینے والا)، ”عین“ کے معنیٰ ”عالم“ (ہر بات کا جاننے والا)، ”ص“ کے معنیٰ ”صادق“ (اپنے وعدہ کا سچا)، بس جس شخص کا ساتھی کفایت کرنے والا، ہدایت کرنے والا، جگہ دینے والا، باخبر اور سچا ہو، وہ برباد ہو سکتا ہے یا اس کو کسی بات کا خوف ہو سکتا ہے؟ کیا وہ شخص بھی اس کا محتاج ہے کہ توشہ لادے لادے پھرے۔





حضرت مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی گفتگو سن کر اپنا کرتہ اس کو دینا چاہا، اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا بڑے میاں! دنیا کے کرتے سے ننگا رہنا اچھا ہے، دنیا کی حلال چیزوں کا حساب دینا ہوگا اور اس کی حرام چیزوں کا عذاب بھگتنا ہے، جب رات کا اندھیرا ہوا، جوان نے اپنا منہ آسمان کی طرف کیا، اور یہ کہا اے وہ پاک! جس کو بندوں کی طاعت سے خوشی ہوتی ہے اور بندوں کے گناہوں سے اس کا کچھ نقصان نہیں ہوتا، مجھے وہ چیز عطا فرما جس سے تجھے خوشی ہوتی ہے یعنی طاعت اور وہ چیز معاف فرما دے جس سے تیرا کوئی نقصان نہیں، یعنی گناہ، اس کے بعد جب لوگوں نے احرام باندھا اور ”لبیك“ کہا تو وہ چپ تھا، میں نے کہا تم لبیک نہیں پڑھتے؟ کہنے لگا مجھے یہ ڈر ہے کہ میں ”لبیك“ کہوں اور وہاں سے جواب ملے ”لا لبیك ولا سعدیك“ (نہ تیری لبیک معتبر نہ تیری سعدیک معتبر، میں تیرا کلام سنتا ہوں نہ تیری طرف التفات کرتا ہوں)۔

اس کے بعد وہ چلا گیا، اس کے بعد سارے راستہ میں نے اس کو نہیں دیکھا، آخر میں منیٰ میں وہ نظر پڑا اور اس نے چند شعر پڑھے جنکا ترجمہ یہ ہے کہ وہ محبوب جس کو میرا خون بہانا اچھا معلوم ہوتا ہے، میرا خون اس کے لیے حرم میں بھی حلال اور حرم سے باہر بھی، خدا کی قسم اگر میری روح کو یہ پتہ چل جائے کہ وہ کس پاک ذات کے ساتھ اٹکی ہوئی ہے، تو وہ قدم کے بجائے سر کے بل کھڑی ہو جائے اور ملامت کرنے والے مجھے اس کے عشق میں ملامت نہ کر، اگر تجھے وہ نظر آ جائے جو میں دیکھتا ہوں تو کبھی بھی لب کشائی نہ کرے، لوگ اپنے بدن سے بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں، اگر وہ اللہ کی پاک ذات کا طواف کرتے تو حرم سے بھی بے نیاز ہو جاتے، عید کے دن لوگوں نے تو بھیڑ بکری کی قربانی کی، لیکن معشوق نے میری جان کی اس دن قربانی کی، لوگوں نے حج کیا ہے اور میرا حج اپنی سکون کی چیز کا ہے، لوگوں نے قربانیاں کی ہیں، میں تو اپنے خون کی، اپنے جان کی قربانی کرتا ہوں، اس کے بعد یہ دعا کی: اے اللہ! لوگوں نے قربانیوں کے ساتھ تیرا تقرب حاصل کیا، میرے پاس کوئی چیز قربانی کے لیے نہیں ہے سوائے اپنی جان کے، میں اس کو تیری بارگاہ میں پیش کرتا ہوں تو اس کو قبول کر لے، اس کے بعد ایک چیخ ماری اور مردہ ہو کر گر گیا، اسکے بعد غیب سے ایک آواز آئی کہ یہ اللہ کا دوست ہے، خدا کا قتیل ہے۔

مالکؒ کہتے ہیں کہ میں نے اس کی تجہیز و تکفین کی اور رات بھر اس کی سوچ میں پریشان اور متفکر رہا، اسی میں آنکھ لگ گئی تو خواب میں اس کو دیکھا، میں نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہے، کہنے لگا جو شہدائے بدر کے ساتھ ہوا، بلکہ اس پر بھی کچھ زیادہ ہوا، میں نے پوچھا کہ زیادہ ہونے کی کیا وجہ؟ کہنے لگے کہ وہ کافروں کی تلوار سے شہید ہوئے تھے اور میں عشق الٰہی کی تلوار سے۔[روض]

اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر بات میں ان سے زیادتی ہو، کسی بات میں زیادتی ہو جانا کافی ہے ورنہ ان حضرات کے لیے صحابی ہونے کا جو فضل ہے، اس کو غیر صحابی کہاں پہونچ سکتے ہیں؟!

☆حضرت ذو النونؒ فرماتے ہیں کہ حج کے سفر میں ایک جنگل میں مجھے ایک نوجوان خوبصورت لڑکا ملا گویا چاندی کا ٹکڑا ہے اور عشق اس کے بدن میں جوش مار رہا تھا، وہ بھی حج کے لیے جا رہا تھا، میں نے اس کو ساتھ لے لیا، میں نے اس سے کہا کہ بڑا طویل سفر ہے تو اس نے ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ کاہلوں اور اکتا جانے والوں کے لیے یہ سفر بعید ہے لیکن مشتاقوں کے لیے کچھ بھی بعید نہیں۔[روض]

☆حضرت شبلیؒ جب عرفات میں پہونچے تو بالکل چپ چاپ رہے، کوئی لفظ بھی زبان سے نہ نکالا، جب وہاں سے منیٰ کی طرف چلے، حد حرم کے جو دو نشان ہیں ان سے آگے بڑھ گئے، تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے: میں چل رہا ہوں اس حال میں کہ میں نے اپنے دل پر تیری محبت کی مہر لگا دی تا کہ اس دل پر تیرے سوا کسی کا گزر نہ ہو، کاش! میں اپنی آنکھوں کو ایسی طرح بند کرتا کہ تیرا دیدار نصیب ہونے تک کسی کو بھی نہ دیکھتا۔ دوستوں میں بعض تو ایسے ہوتے ہیں جو ایک ہی کے ہو رہتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جنہیں دوسروں کی بھی شرکت ہوتی ہے، لیکن جب آنکھوں سے آنسو نکل کر رخساروں پر بہنے لگتے ہیں جب ظاہر ہو جاتا ہے کہ کون واقعی رو رہا ہے اور کون بناوٹی رونا رو رہا ہے۔[روض]

عدو میں اور مجھ میں غور کر لو فرق اتنا ہے
کوئی بنتا ہے دیوانہ کوئی ہوتا ہے دیوانہ

☆☆☆☆☆

چشم کشا

# قربانی کا اقتصادی پہلو

علامہ سید سلیمان ندویؒ

عیدالاضحیٰ جس کے معنی جشن قربانی کے ہیں، حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے تاریخی واقعہ کی یادگار ہے، اس وقت کے جو سامی بادشاہ عراق، شام اور مصر پر حکمراں تھے، وہ اپنے نمرودی و فرعونی کبر ونخوت میں مبتلا تھے، ہر جگہ آسمان کے ستاروں اور زمین کے بادشاہوں کی پوجا ہو رہی تھی، ضرورت تھی کہ ان نمرودوں اور فرعونوں کی جابر و ظالم سلطنتوں کے حدود سے آزاد کسی سرزمین میں اس پیام حق کے لیے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ دنیا میں آیا تھا، کوئی مرکز قائم کیا جائے، جو ہر قسم کی دنیاوی سرسبزی وشادابی سے پاک ہوتا کہ سلاطین کی حرص وآز کے ہاتھوں سے وہ ہمیشہ محفوظ رہے۔

انتخاب کی نظر عرب کی اس شور اور بنجر زمین پر پڑی، جس کا نام حجاز ہے، جو بحر احمر کے کنارے شام اور یمن کے دو زرخیز علاقوں کے بیچ میں آمد و رفت کا راستہ اور تجارت کے قافلوں کی گذرگاہ تھا، تاہم چوں کہ وہ ہر قسم کی روئیدگی اور سیرابی سے مبرا تھا، اس لیے اس میں کوئی مستقل آبادی نہ تھی، لیکن سوداگروں کی آمد ورفت سے وہ تبلیغ کا اہم مرکز ہوسکتا تھا، اس لیے زمین کے اس چھوٹے سے ٹکڑے کی قسمت میں ازل سے جو عزت مقدر ہوچکی تھی، حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں اس کے ظہور کا وقت آیا۔

حجاز دعوت حق کا مرکز قرار پایا، اور خانہ کعبہ کی تعمیر کا حکم آیا، اور اس کی پاسبانی کے لیے حضرت ابراہیمؑ کو اپنی سب سے پیاری اور اکلوتی اولاد حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کا منظر خواب میں دکھایا گیا، اس جسمانی قربانی کے خواب کی تعبیر روحانی قربانی تھی، حضرت ابراہیمؑ نے منیٰ پہنچ کر اپنے اس خواب کی جسمانی تکمیل کرنی چاہی تو ندا آئی، اے ابراہیمؑ! تم اپنے خواب کو پورا کرچکے اور اب اس خواب کی تعبیر ذبح عظیم یعنی عظیم الشان قربانی ہے، جو اپنی جان کو راہ حق میں دے کر اور اپنے مال کو خدا کی راہ میں لٹا کر ادا کرسکتے ہو، اس رمز کی جسمانی تمثیل جانور کی قربانی ہے، جو ہر حاجی پر ہر سال فرض ہے، ہر مسلمان پر جس میں استطاعت ہو، واجب ہے۔

اس خواب کی حقیقی تعبیر کی تکمیل میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اکلوتے بیٹے کو شام کے مرغزار سے لاکر حجاز کے بے آب ودانہ اور شور زمین میں خانہ خدا کے پاس آباد کیا تاکہ حق کا پیغام اور توحید کی دعوت سلاطین زمانہ کی جابرانہ تعدی سے محفوظ رہ کر آخری پیغام الٰہی کے ظہور کے لیے تیار رہے۔

اس بے آب وگیاہ بنجر اور شور زمین میں کسی انسانی آبادی کی بقاء، کسی مادی اقتصادی انتظام کے بغیر ناممکن تھی، اور ہے، اور اس کے لیے قدرت الٰہی نے دو انتظام کیے، حج اور قربانی، حج کو علاوہ اپنے روحانی فیوض وبرکات کے اقوام عالم کی تجارتی نمائش گاہ یا عالم گیر تجارتی میلہ ٹھہرایا، اشہر حرم کے مامون زمانہ میں عرب کے سارے گوشوں سے تاجر اور سوداگر آتے اور مکہ کے میدان میں قیام کرکے سال بھر کی روزی پیدا کرتے ہیں۔

اسی نکتہ کو سامنے رکھ کر حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کے معنی سمجھیے:

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ﴾ [سورہ بقرہ:۲/۱۲۶] ﴿رَبَّنَا اِنِّيْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ﴾ [سورہ ابراہیم:۱۴/۳۷]۔

(اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے پرودگار! اس کو امن والا شہر بنا اور یہاں کے رہنے والوں کو کچھ پھلوں سے روزی کر، اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد بن کھیتی کی میدان میں تیرے عزت والے گھر کے پاس اس لیے بسائی ہے کہ نماز کو قائم کریں تو انسانوں کے کچھ دلوں کو ان کی طرف مائل کر، اور ان کو کچھ پھلوں کی روزی دے تاکہ وہ شکر گزار رہوں)۔

حج کی تجارتی گرم بازاری اور حاجیوں کی آمد و رفت سب اسی لیے ہے تاکہ اس کے ذریعہ اس ویرانہ کی روحانی وجسمانی ومالی آبادی ہو، اسلام آیا تو لوگوں نے سمجھا کہ روحانی مقصد سے حج کے مالی مقاصد رد کردیے گئے، مگر خدا نے تصریح کی کہ ایسا نہیں ہے، فرمایا:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (تمہارے لئے یہ گناہ نہیں کہ حج میں خدا کی روزی تلاش کرو)۔





اسی لیے خدا کی روزی تلاش کرنے والے حاجیوں کے لیے راستوں کے امن کا حکم دیا، فرمایا:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَائِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا﴾ [سورہ مائدہ:۵/۲] (اے ایمان والو! اللہ کے شعائر کی بے توقیری نہ کرو، اور نہ حرمت والے (حج) مہینے کی اور نہ حج کی قربانی کی اور نہ قربانی کے جانوروں کے پٹوں کی اور نہ ان کی جو عزت والے گھر (کعبہ) کے قصد سے نکلے ہوں، اپنے پروردگار کے فضل (تجارت) اور اس کی رضامندی کی تلاش میں)۔

اس سے معلوم ہوا کہ حج کے اغراض میں ایک اہم غرض اس کا تجارتی اور اقتصادی پہلو ہے، دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو اس اعلان کا حکم ہوا تھا:

﴿وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيْرَ﴾ [حج:۲۲/۲۷] (اور لوگوں میں حج کو پکار دے، وہ پیادہ اور ہر دبلی پتلی سواریوں پر، ہر دور دراز راستہ سے تیرے پاس آئیں گے تاکہ اپنے (دینی ودنیاوی) منافع کے مقاموں پر حاضر ہوں، اور چند مقررہ دنوں میں اللہ کا نام جانوروں پر لیں، جو ہم نے ان کو روزی کیے، تو ان جانوروں کے گوشت میں سے کچھ کھاؤ، اور بدحال فقیروں کو کھلاؤ)۔

ان آیتوں میں اس کی تصریح ہے کہ حج کے مقاصد میں سے ایک خاص مقصد یہ ہے کہ لوگ تجارتی ومالی منافع کے مقاموں پر اکٹھے ہوں، اور باہم مبادلہ اور خرید وفروخت سے اقتصادی فائدہ اٹھائیں، اسی لیے متعدد مفسروں نے آیت میں منافع سے مراد تجارت لی ہے اور کسی نے مغفرت، مگر اکثروں نے ان دونوں کو شامل کیا ہے۔

آیت میں اس بات کی تصریح ہے کہ قربانی سے مقصود یہ ہے کہ جانوروں کی جو نعمت انسانوں کو ملی ہے، اس کا وہ شکریہ ادا کریں اور اس مسرت اور جشن کے موقع پر خود اس کا گوشت کھائیں، اور فقیروں اور مسکینوں کو کھلائیں کہ وہ بھی اس خوشی میں شریک ہوسکیں، قربانی کا یہ مقصد نہیں کہ نفس جانور کی خوں ریزی خدا کو محبوب ہے یا اس کا گوشت اس کو پسند ہے، فرمایا:

﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ [سورہ حج:۲۲/۳۷] (اللہ کے پاس قربانی کے جانور کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا، بلکہ تمہارے دل کی پرہیزگاری پہنچتی ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ حج میں قربانی کی غرض ایک تو یہ ہے کہ اس جشن میں دعوت کا سامان ہو، دوسری غرض یہ ہے کہ بدحال فقیروں کو کھلایا جائے، اس لیے قربانی کے اتنے حصے کے علاوہ جو ذاتی صرف میں آئے، بقیہ کل گوشت پوست سب فقیروں کو ہدیہ ہے۔

دولت کا سرچشمہ تین چیزیں ہیں، زراعت، صنعت، اور مویشی کی پرورش، عربوں کے پاس نہ زراعت تھی، اور نہ صنعت، اس لیے دوسری قوموں کے تجارتی سامانوں کی دلالی کے بعد جو چیز ان کی دولت کا سرمایہ ہے، وہ جانوروں کی پرورش ہے اور یہی ان کی سب سے بڑی دولت ہے، بے مایہ عربوں کو بیت حرام کی پاسبانی کی اجرت اور ان کی اقتصادی امداد کا ذریعہ یا تو خیرات ہوسکتی تھی، جو حد درجہ ان کی دنائت اور پست حالی کو ہر حال میں بڑھاتی، یا کوئی دوسری صورت ہوتی، اسلام نے دوسری صورت نکالی اور وہ ان کی پرورش کے لیے تجارت، حاجیوں کا کرایہ مکان، حاجیوں کی خدمت کی مزدوری، حاجیوں کی سواری کی اجرت اور دوسرے ذریعے مقرر کئے ہیں، ان ہی میں سے ایک قربانی بھی ہے۔

پہلے زمانہ میں پانچ لاکھ حاجیوں کا تخمینہ ہوتا تھا اور اب ایک لاکھ ہے، ہر حاجی کم از کم دنبہ یا بکرا قربانی کرتا ہے، بعض اونٹ کرتے ہیں، جس کی گو قیمت زیادہ ہوتی ہے، مگر اس میں شرکت بھی ہوتی ہے، بہر حال اوسطاً ایک لاکھ دنبے رکھ لیجیے، ایک دنبہ کی قیمت اوسطاً چار سو روپے ہوتی ہے، تو اس طرح اہل بادیہ عرب کو ہر سال حج میں کم از کم چار لاکھ روپے تقسیم ہوتے ہیں۔

غیر حاجی مسلمان ہندوستان کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی جو قربانی کرتے ہیں، اس کا روپیہ بھی ہر ملک کے دیہاتی مسلمانوں کو پہنچتا ہے، ہندوستان میں اکثر قربانی کے جانور قصائیوں کے ذریعہ خریدے جاتے ہیں، مگر شاید مسلمانوں سے زیادہ ہندو مویشی کی پرورش کرتے ہیں، اور وہ فائدہ اٹھاتے ہیں، مگر یہ قصور کس کا ہے؟

جانور کا گوشت پوست، ہڈی، سب کی قیمت بازار میں ہے، اور ان سب کا نفع زکوٰۃ کی طرح مستحقین کے لیے مخصوص ہے، اگر عرب یا حجاز کی حکومت اس کا مناسب انتظام نہیں کرتی، اور اس کا

نفع حاصل کرکے غریبوں کو نہیں دیتی تو یہ قصور اسلام کا نہیں، مسلمانوں کا ہے، اس کے لیے اسلام میں اصلاح کی ضرورت نہیں، مسلمانوں میں اصلاح کی ضرورت ہے۔

عرب سے باہر دوسرے اسلامی ملکوں کا حال ہم کو نہیں معلوم، مگر ان کو ہندوستان پر قیاس کیا جاسکتا ہے، ہندوستان میں آٹھ کروڑ مسلمان ہیں، ۸/لاکھ قربانیاں ہوتی ہوں گی، اور آٹھ لاکھ قربانیوں کی قیمت اگر آٹھ ہی لاکھ کم وبیش رکھی جائے، تو یہ آٹھ لاکھ روپئے سالانہ عربی مدرسوں، مکتبوں، قومی اداروں اور شہر ودیہات کے غریبوں میں بانٹے جاتے ہیں، اگر ہر سال ان آٹھ لاکھ روپیوں کے جمع وخرچ کا ٹھیک انتظام نہیں کیا جاتا ہے تو یہ مسلمانوں کا قصور ہے، پھر بھی یہ معلوم ہے کہ ہندوستان کے تعلیمی اداروں کے کئی مہینوں کے اخراجات اسی قربانی کی مد سے پورے ہوتے ہیں۔

جشن قربانی کے اظہار کے لیے کوئی ایسا طریقہ جس میں جشن کا اظہار ہو، باہم دوستوں کی سادہ دعوت اور ہدیہ کا انتظام ہو اور پھر غریبوں اور مسکینوں اور قومی ضرورتوں کا فنڈ بھی اس سے قائم ہو، اور ﴿وَفَدَیْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ﴾ کا مصداق بھی ہو، قربانی کے سوا کوئی دوسرا نہیں۔

آج کل کی مہذب سلطنتوں میں ٹیکس کے دو طریقے ہیں، ایک براہ راست ٹیکس جیسے انکم ٹیکس، دوسرا بواسطہ ٹیکس جس طرح ہم اس سلطنت میں ہر چیز پر ہروقت ادا کررہے ہیں، مگر یہ دیکھا گیا ہے کہ براہ راست ٹیکس ہمیشہ گراں گزرتا ہے، اور بواسطہ ٹیکس کبھی معلوم بھی نہیں ہوتا، یہی سبب ہے کہ جتنے لوگ زکوۃ ادا کرتے ہیں، اس سے زیادہ لوگ قربانی دیتے ہیں، اسلام نے ان دونوں ٹیکسوں سے کام لیا ہے، زکوۃ براہ راست انکم ٹیکس ہے اور قربانی بواسطہ ٹیکس ہے، اور اس کی ادائی کا راز اسی قربانی کے پر پیچ رمز میں ہے، اگر کوئی اس دینی راز کے نفسیاتی فلسفہ کو کھول کر اس کو نقد روپئے سے بدلنا چاہے تو وہ دیکھے گا کہ چند ہی سال میں یہ منتر بے اثر اور عید الاضحیٰ کا فلسفہ باطل ہوجائے گا اور وہ روز جشن نہیں، بلکہ تحصیل وصول کا ناگوار دن بن جائے گا۔

الغرض قربانی بہت سے نفسیاتی، روحانی اور مادی، اقتصادی فوائد پر مبنی ہے، اور اس میں جو کمی نظر آتی ہے، وہ مسلمانوں کے ہر شعبہ میں نمایاں ہے، ضرورت ہے کہ مسلمان خود اپنی اصلاح کریں، اسلام کی اصلاح نہیں کہ وہ ہر اصلاح سے ہمیشہ کے لیے پاک وبلند ہے۔

[یاد رہے کہ یہ مضمون ۱۹۳۷ء کا لکھا ہوا ہے، حاجیوں کی تعداد پہلے بہت کم تھی، غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کی جو تعداد تھی اور اب صرف یہاں کے مسلمانوں کی جو تعداد ہے اور جتنے جانور ذبح ہوتے ہیں، وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔]

☆☆☆☆☆

## نوافل کے ذریعہ تقرب الی اللہ

حدیث قدسی میں آتا ہے کہ جب میرا بندہ فرائض کی ادائیگی کے علاوہ نفل عبادت سے میرا تقرب چاہتا ہے تو وہ میرا محبوب بن جاتا ہے، پھر جب میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو اس کے کانوں کی سماعت اور اس کی آنکھوں کی بصارت اور ہاتھوں کی گرفت اور پیروں کی رفتار بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے جو چیز طلب کرتا ہے میں اسے عطا کرتا ہوں اور جس چیز سے پناہ مانگتا ہے، اس سے بچالیتا ہوں اور مجھے اس کی جان نکالنے میں جس قدر تردد ہوتا ہے اتنا کسی کام میں نہیں ہوتا، جب اس کو مرنا گوارا نہ ہو، اس لیے کہ مجھے اس بندۂ محبوب کی دل شکنی منظور نہیں ہوتی۔

یہ حدیث پاک تصوف کے بڑے اہم نکتوں کی طرف اشارہ کررہی ہے، اگر انسان میں ہمت ہو تو اس راہ پر قدم رکھ کر خدا تعالیٰ کی نزدیکی اور تقرب کا لطف حاصل کرسکتا ہے۔

شرعی طور پر نوافل کے ذریعہ فرض عبادات کی کمی پوری ہوتی ہے اور جو نقص فرائض میں رہ جاتا ہے وہ پورا ہوجاتا ہے، البتہ یہ خیال رہے کہ فرض نماز کا نقص نفل نماز سے دور ہوسکتا ہے اور فرض روزوں کا نقص نفل روزوں کے ذریعہ، اسی طرح دوسری عبادات کا حال ہے۔

لیکن یہ یاد رہے کہ......

جو شخص فرائض کی ادائیگی کے ساتھ حرام کاموں سے بچتا ہے وہ اس شخص سے بہتر ہے جو کثرت سے نوافل میں مشغول رہتا ہے، مگر حرام باتوں سے پرہیز نہیں کرتا۔

انسان کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ نوافل میں مشغول ہوکر کہیں وہ فرائض کو تو ترک نہیں کررہا ہے، چنانچہ اس قسم کے فتنہ میں وہ لوگ اکثر مبتلا ہوجاتے ہیں جو نفلی درجہ کا علم حاصل کرتے ہیں اور اس تحصیل علم کی وجہ سے فرائض کو چھوڑ بیٹھتے ہیں، یہی حال ان لوگوں کا ہے جو نفلی عبادات میں مشغول ہوکر اہل وعیال کے لیے کسب حلال نہیں کرتے اور اپنے اہل وعیال کو قوم کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے قابل بنادیتے ہیں اور وہ لوگ پورے معاشرے کے لیے بوجھ بن جاتے ہیں۔

[الجزل المختار، علامہ سید عفیف الدین حداد]





شان یکتائی

# حجۃ الوداع

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

عربوں کے مرکزی شہر مکہ مسلمانوں کی زیر سرکردگی آجانے اور پڑوس کے قبائل ہوازن اور ثقیف کی کوشش کے بھی ناکام ہوجانے اور سارے عرب کی طرف سے اسلام کو غالب مان لینے کے بعد مسلمانوں کو کسی لڑائی کا خطرہ باقی نہ رہا اور یہ رکاوٹیں ختم ہوجانے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کی بڑی تعداد کو مکہ میں جو سارے عرب کا دینی مرکز کی حیثیت مانا جاتا تھا، حج کے موقع پر اکٹھا کرنا مناسب سمجھا کہ فریضہ حج بھی ادا کریں، اور ایک جگہ جمع ہونے پر ان سے خطاب عام بھی ہوجائے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حج کے موقع پر ایک لاکھ ۱۴ ہزار کی تعداد میں آپؐ کے ماننے والے جمع ہوئے اور حج ادا کیا، آپ کا یہ حج دعوت اسلامی کی تکمیل اور نظام اسلامی کے باقاعدہ قیام کا اعلان عام تھا، اور یہ آپ کی مدنی زندگی کا پہلا اور آخری حج تھا، اسی میں امت مسلمہ کے عمل کے لیے عمومی ہدایات دی گئیں اور دین کی تکمیل جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل نہیں ہوئی تھی اب اسکا بھی اعلان کردیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا جو خطبہ دیا اس میں آئندہ کے لیے ہدایات اور ضابطہ اخلاق کا واضح اعلان اور انسانی خوبیوں کی حامل زندگی کا جامع اور مفصل تصور کے اصول ظاہر فرمادیے، اسی موقع پر قرآن مجید کی وہ آیات جن میں دین کی تکمیل کی اطلاع دی گئی، نازل ہوئیں:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [سورہ مائدہ/۳] (آج ہم نے تمہارے لیے تمہارے دین (جس کو سابق انبیاء کے ذریعہ انسانوں تک پہونچانے کا سلسلہ چلا آرہا تھا) مکمل کردیا، اور اپنی یہ نعمت تم پر پوری کردی، اور تمہاری لیے اسلام کو ہی بحیثیت دین کے پسند کیا)۔

اس قرآنی اعلان میں تین بنیادی باتیں بتائی گئیں، ایک تو یہ کہ انسانی زندگی کا اس کرۂ ارض پر آغاز ہونے کے وقت سے انسانوں کی اصلاح اور کردار سازی کی جو ہدایات نبیوں کے ذریعہ سے برابر آتی رہیں، اب وہ مکمل ہوگئیں اور دین کے احکام اس سطح تک پہنچادیے گئے جس میں کسی بدلاؤ اور کمی وبیشی واضافہ وغیرہ کی ضرورت پیش نہ آئے گی، اسکے لیے یہ بات فرمائی کہ "میں نے دین تمہارا مکمل کردیا"۔ دین کو وہ خوبیاں جو انسانی زندگی کے لیے ضروری اور موزوں اور جتنی ہونا چاہئیں، وہ پوری کردی گئیں، دوسری بات یہ فرمائی کہ میں نے دین واخلاق کی اپنی نعمت تم سب پر پوری کردی، ﴿وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي﴾ یعنی انسانیت اور فرد انسانی کی صلاح وفلاح کا جو درجۂ کمال ونمونہ اعلیٰ ہے وہ تمہارے لئے مہیا کردیا گیا اور تم کو اس مقام بلند تک پہونچادیا گیا، پھر اسی سے تعلق رکھنے والی بات کے طور پر یہ واضح کردیا گیا کہ مقام بلند کے لیے جس طریقہ کار وصفات حسنہ کی ضرورت ہے وہ طریقہ کار وصفات حسنہ دین اسلام کی صورت میں عطا کی گئی ہیں، اور اللہ رب العالمین کی رضامندی کا انحصار اب اسی پر ہے، اللہ تعالیٰ اسی کے مطابق انسانی عمل کو منظور کرے گا، جس کو فرمایا گیا: ﴿وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ کہ دین اسلام ہی میرے لیے پسندیدہ اور قابل قبول ہے، اس طریقہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو اور دین کے پیغام کو اس زمین پر انسانی آبادی کے قائم رہنے تک کے لیے طے کردیا گیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع سے انسان کے اعلیٰ انسانی اقدار اور عدل ومساوات اور انسانی جان کی سلامتی اور انصاف کی اہم ضروری ہدایات عنایت فرمائیں، اور حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ جو یہاں موجود ہیں وہ ان کو یاد رہے، دل ودماغ میں محفوظ کرلیں اور موجود نہیں ہیں، موجود لوگ ان کو یہ ہدایات پہونچائیں، کیونکہ بعض وقت براہ راست سننے والے سے زیادہ بالواسطہ سننے والا بات کو زیادہ اہمیت کے ساتھ اختیار کرتا ہے۔

### آپ کا آخری حج اور حج کی فرضیت

ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہی ایک حج کیا، اور یہی آپ کا اول اور آخری حج یعنی اپنی رسالت کے کام کی تکمیل پر اور امت سے آپ کی رخصتی کی ملاقات تھی، اس سے قبل حج کی فرضیت بھی نہیں ہوئی تھی، یہ فرضیت آپ کی وفات سے ایک سال قبل یعنی سن ۹ یا ۱۰ ہجری میں ہوئی۔ [زاد المعاد: ۲/۱۰۱] یہ حج حضور صلی

اللہ علیہ کی ہدایات اور دینی ارشادات کے لحاظ سے بہت اہمیت رکھتا ہے، اسلام کو غالب کرنے کی کوششوں کی کامیابی اور اسلامی پیغام کی تکمیل کے اعلان اور امت اسلامیہ کو تاقیامت ہدایات دینے کا یہ بہترین موقع تھا، جس میں مسلمانوں کا غیر معمولی اجتماع تھا، چنانچہ جب یہ موقع آیا، جو اللہ تعالیٰ کے آخری رسول اور امت اسلامیہ کے ابدی رہبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا آخری سال تھا، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کو تاقیامت عمل کرنے کی واضح تاکید کی اور اسی کے ساتھ تبلیغ حق کی ذمہ داری بھی سپرد کی، آپ کے اس حج میں عبادت حج کی ادائیگی کے لیے صحیح نمونہ بھی دکھایا گیا، علامہ ابن قیمؒ کی کتاب ''زادالمعاد'' سے اس حج کی تفصیل کا اقتباس درج ذیل کیا جارہا ہے:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا عزم فرمایا اور لوگوں کو معلوم ہوا تو سب نے تیاریاں شروع کردیں تاکہ آپ کا شرف معیت حاصل کریں، مدینہ کے مضافاتی علاقے کے لوگوں کو جب یہ خبر پہنچی تو وہ بھی گروہ در گروہ اسی مقصد سے آنا شروع ہوگئے، راستے میں بھی لوگوں کی جماعتیں جو حد شمار سے خارج تھیں، شریک قافلہ ہوتی گئیں، آگے پیچھے، دائیں بائیں، حد نظر تک خلقت نظر آرہی تھی۔

مدینہ سے آپ ۲۴؍ذی القعدہ کو ظہر کی چار رکعت نماز پڑھ کر روانہ ہوئے، روانگی سے قبل ایک خطبہ دیا، جس میں احرام اور اس کے واجبات وسنن کی تعلیم دی، پھر اندر تشریف لے گئے، تیل لگایا، کنگھی کی، لنگی باندھی، چادر اوڑھی، اور مقام ذوالحلیفہ (جو اس رخ سے حج میں جانے والے کے لیے احرام باندھنے کی جگہ ہے) پہونچ کر عصر کی دو رکعت نماز پڑھی، پھر رات بھر یہیں قیام فرمایا، یہاں آپ نے پوری پانچ نمازیں پڑھیں، عصر، مغرب، عشاء اور دوسرے دن فجر اور ظہر، تمام ازواج مطہرات ہمراہ اور رفیق سفر تھیں، ایک ایک کرکے آپ سب کے یہاں تشریف لے گئے، جب احرام باندھنے کا ارادہ کیا تو دوسرا غسل کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن اور سر پر خوشبو لگائی، پھر آپ نے چادر اور لنگی سے احرام باندھا، پھر ظہر کی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد مصلے پر بیٹھے ہی حج وعمرہ کے لیے باآواز بلند تکبیر کہی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت حج قران کا احرام باندھا تھا (حج تین قسم کا ہوتا ہے ایک تو صرف حج کی نیت کی جائے وہ حج افراد کہلاتا ہے، دوسری قسم عمرہ اور حج دونوں کے کرنے کی نیت کی جائے اور پہلے عمرہ کرکے فارغ ہوجایا جائے، اور پھر ۸؍ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ کر حج کیا جائے یہ حج تمتع کہلاتا ہے، تیسری قسم دونوں یعنی عمرہ اور حج کو ایک ہی احرام سے بلا علاحدہ کیے ہوئے کیا جائے، یہ قران ہے)۔

پھر آپ نے ان الفاظ سے تلبیہ کہا: (تلبیہ کہنے سے حج یا عمرہ جو ہو اس کا عمل شروع ہوجاتا ہے اور یہ احرام باندھے رہنے تک ہوتا ہے)۔

''لبيك اللّٰهم لبيك، لبيك لاشريك لك لبيك، ان الحمد والنعمة لك، والملك، لاشريك لك''۔

(اے اللہ حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، ہر طرح کی تعریف اور نعمتیں تیرے لیے ہی ہیں، حکومت بھی تیری ہی ہے، تیرا کوئی ساجھی نہیں)۔

یہ تلبیہ آپؐ نے باآواز بلند کہا، یہاں تک کہ تمام صحابہؓ نے اسے سن لیا، آپؐ نے حسب فرمان باری تعالیٰ انہیں یہ حکم دیا کہ وہ بھی بلند آواز سے تلبیہ کہیں۔

پھر آپؐ لبیک کا مذکورہ ترانہ پڑھتے ہوئے آگے بڑھے اور صحابہ کرام بھی قدرے کمی وزیادتی کے ساتھ اس کو دہراتے رہے، لیکن آپؐ نے کسی پر نکیر نہ فرمائی۔

پھر جب آپؐ وادی عسفان کے پاس سے گزرے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا: یہ کون سی وادی ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا، وادی عسفان ہے تو آپؐ نے فرمایا: اس وادی سے حضرت ہودؑ (نبی) اور حضرت صالحؑ (نبی) سرخ اونٹوں پر بیٹھ کر گزرے ہیں تاکہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوں [امام احمد] پھر آپؐ مقام سرف پر پہنچے (یہ مکہ سے ۶ کیلو میٹر پر مکہ کے راستہ پر واقع ہے)۔

پھر آپؐ مقام ذی طویٰ (جو زاہر کے کنوؤں سے مشہور ہے، مکہ شہر شروع ہونے پر ملتا ہے) پر پہنچے، وہاں ۴؍ذی الحجہ اتوار کی شب گزاری، اور فجر کی نماز ادا کرکے غسل فرمایا اور مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوگئے، مکہ میں آپ حجون سے متصل بلند کھائی میں دن کے وقت داخل ہوئے، اس سے قبل عمرہ کے موقع پر آپ نشیبی علاقہ سے داخل ہوئے تھے، پھر آپ آگے بڑھے اور چاشت کے وقت مسجد میں داخل ہوئے، امام طبریؒ نے ذکر کیا ہے کہ آپ باب عبد مناف سے جسے باب بنی شیبہ کہا جاتا ہے، داخل ہوئے تھے، امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ آپؐ جب دار علی سے داخل ہوئے تو بیت اللہ کو سامنے کرکے دعا فرمائی، امام طبریؒ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جب آپ بیت اللہ کو دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے تھے:





''اللّٰهم زد هذا البيت تشريفاً، وتعظيماً، وتكريماً، ومهابةً''۔

(اے اللہ اس گھر کو اور زیادہ عزت وعظمت اور بزرگی اور رعب عطا فرما)۔

ایک اور مرسل روایت میں یہ مذکور ہے کہ آپؐ بیت اللہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھاتے، اللہ اکبر کہتے اور یہ دعا پڑھتے تھے:

''اللّٰهم أنت السلام ومنك السلام، حيّنا ربنا بالسلام، اللّٰهم زد هذا البيت تشريفاً وتعظيماً وتكريماً ومهابةً وزد من حجه، أو اعتمره تكريماً وتشريفاً وتعظيماً وبراً''۔

(اے اللہ تو سلام ہے اور تجھی سے سلامتی ہے ہمیں سلامتی دے، اے اللہ اس گھر کو اور زیادہ عزت، عظمت، کرامت اور رعب دے، اور جو اس کا حج یا عمرہ کرے اسے بھی عزت، کرامت، عظمت اور نیکی عطا کر)۔

جب آپ مسجد حرام میں داخل ہوئے تو بیت اللہ کے پاس تشریف لائے اور تحیۃ المسجد نہیں پڑھی کیونکہ یہاں طواف ہی تحیۃ المسجد ہے، حجر اسود کے بالمقابل ہوئے تو اسے بوسہ دیا اور کوئی مزاحمت نہ فرمائی، پھر دائیں جانب چلے، کوئی مخصوص دعا نہیں فرمائی، البتہ دونوں رکن کے درمیان آپؐ سے یہ دعا پڑھنا ثابت ہے:

﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [البقرہ/۲۰۱]

(اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کے تین چکروں میں رمل کیا یعنی چھوٹے قدم رکھتے ہوئے چلے اور اضطباع کیا یعنی داہنا مونڈھا کھول کر بائیں مونڈھے پر چادر ڈال دی، اسی طرح داہنا کندھا کھلا ہوا تھا اور بایاں ڈھکا ہوا، آپ جب حجر اسود کے سامنے ہوتے تو اس کی طرف اشارہ کرتے اور اسے خمدار عصا سے چھوکر اسے بوسہ دیتے تھے۔

جب آپؐ طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم کے پیچھے آئے اور یہ آیت پڑھی:

﴿وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ [البقرہ/۱۲۵] (مقام ابراہیم کو مصلی بنالیجیے)۔

پھر دو رکعت نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد حجر اسود کے پاس تشریف لائے اور اس کا بوسہ لیا، پھر سامنے کے دروازے سے صفا کی طرف نکل آئے اور قریب ہوکر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ﴾ [البقرہ/۱۵۸] (صفا اور مروہ اللہ کی نشانیاں ہیں)۔

پھر فرمایا: ''أبدأ بما بدأ الله به'' (میں بھی اس سے شروع کرتا ہوں، جس سے اللہ نے شروع کیا۔

پھر کوہ صفا پر چڑھ کر بیت اللہ کی طرف رخ کیا اور اللہ اکبر کہہ کر یہ دعا پڑھی:

''لااله الّا اللّٰه وحده لاشريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شئى قدير، لا اله الا اللّٰه وحده، أنجز وعده، ونصر عبده، وهزم الأحزاب وحده''۔ (اللہ واحد کے سوا کوئی خدا نہیں، اس کی عملداری ہے، اسی کے لیے ستائش ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، اللہ واحد کے سوا کوئی خدا نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ کو فتح یاب کیا اور تمام جماعتوں کو تنہا شکست دی)۔

اس طرح تین مرتبہ یہ دعائیں فرمائیں، پھر سعی کرتے ہوئے مروہ کی طرف چلے، نشیب میں پہنچ کر دوڑنے لگے، جب وادی سے نکل آئے تو معمول کے مطابق چلنے لگے۔

جب مروہ پہنچے تو اس پر چڑھ کر بیت اللہ کا رخ کرکے اللہ تعالیٰ کی تکبیر وتوحید بیان کی اور جو صفاء پر دعائیں کی تھیں، یہاں پر بھی کیں۔

جب صفا مروہ کی سعی سے فارغ ہوگئے تو ان تمام لوگوں کو جن کے ہمراہ قربانی کے جانور نہ تھے، ہدایت کی کہ اب احرام اتار دیں اور پوری طرح سے حلال ہوجائیں، کیونکہ عمرہ کے ارکان پورے ہوگئے اور آٹھویں ذی الحجہ تک اسی طرح رہیں اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربانی کا جانور تھا، اس لیے اپنی نسبت فرمایا اگر پہلے سے یہ معلوم ہوتا تو قربانی کا جانور ساتھ ہرگز نہ لاتا اور صرف عمرہ کا احرام باندھتا، اسی جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بال منڈوانے والوں کے لیے تین مرتبہ اور بال چھوٹے کرنے والوں کے لیے ایک مرتبہ دعائے مغفرت فرمائی۔

آپ صلی اللہ علیہ مکہ مکرمہ میں چار دن قیام کے دوران نماز قصر ادا فرماتے رہے اور جمعرات کے دن چاشت کے وقت مسلمانوں کے ساتھ منیٰ تشریف لے گئے جنہوں نے احرام کھول دیا تھا وہ اپنے گھروں سے حج کا احرام باندھ کر نکلے، اس وقت وہ مسجد حرام نہیں گئے، جب آپ منیٰ پہنچے تو وہاں ظہر وعصر کی نماز ادا کی اور وہیں شب گزاری، جب صبح ہوئی تو عرفات کو روانہ ہوئے اور ضب کا راستہ اختیار فرمایا، صحابہ کرامؓ میں سے بعض تلبیہ کہہ رہے تھے اور بعض تکبیر، آپؐ دونوں کو سن رہے تھے، مگر کچھ نہ کہتے تھے۔

عرفات کے مشرقی حصہ میں مقام نمرہ کے پاس آگئے تھے، خیمہ نصب کردیا گیا، اس میں آپؐ نے قیام فرمایا، سورج ڈھلنے کے بعد قصواء اونٹنی پر

سوار ہو کر وادی عرنہ کے نشیبی حصہ تک گئے۔

اسی مقام سے سواری ہی پر بیٹھ گئے ایک عظیم الشان خطبہ دیا، اس میں آپؐ نے اسلامی اصول و قواعد کی وضاحت کی اور جاہلی رسم ورواج کی تردید فرمائی، جان ومال، عزت وآبرو کی حرمت کا اعلان فرمایا، جسے دوسرے اہل مذاہب نے بھی تسلیم کیا تھا جب آپؐ نے خطبہ ختم کیا تو حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا، چنانچہ اذان اور اقامت ہوئی، پھر آپؐ نے سری قراءت سے ظہر کی دو رکعت ادا کی۔

جب آپ نماز سے فارغ ہوگئے تو میدان عرفات ہی میں پہاڑ کے دامن میں چٹانوں کے پاس قبلہ رخ سواری ہی پر اس طرح کھڑے ہوئے کہ جبل مشاۃ آپؐ کے سامنے تھا اور سورج غروب ہونے تک دعا وگریہ زاری میں مصروف رہے اور لوگوں کو حکم دیا کہ وادی عرنہ سے ہٹ جائیں، اور مزید فرمایا کہ عرفات پورے کا پورا جائے وقوف ہے اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے مشاعر میں ٹھہرے رہیں اور وہیں وقوف کریں کیونکہ یہ حضرت ابراہیمؑ کی میراث ہے۔

دعاؤں میں آپ اپنا ہاتھ سینے تک اٹھا لیتے تھے جس طرح کوئی مسکین کھانا مانگ رہا ہو، اس موقع پر ارشاد فرمایا کہ: "بہترین دعا عرفات کی دعا ہے"۔

عرفات میں آپؐ کی دعاؤں میں سے یہ دعائیں منقول ہیں:

"اللّٰھم انك تسمع كلامی وترى مكانی وتعلم سری وعلانيتی ولايخفى عليك شئی من أمری أنا البائس الفقير، المستغيث المستجير، الوجل المشفق، المقر المعترف بذنوبه أسألك مسئلة المسكين، وابتهل اليك ابتهال المذنب الذليل، وأدعوك دعاء الخائف الضرير دعاء من خضعت لك رقبته، وفاضت لك عيناه وذل جسده، ورغم انفه لك، اللّٰهم لاتجعلنی بدعائك رب شقياً، وكن بی رؤفاً رحيماً ياخير المسؤلين وياخير المعطين"۔

(اللہ تو ہی میری بات سنتا ہے، میرے مقام کو دیکھتا ہے، میرے ظاہر وباطن کو جانتا ہے، تجھ سے میرا کوئی معاملہ پوشیدہ نہیں، میں محتاج، مدد اور پناہ کا طالب ہو، ڈرنے والا اور گناہوں کا اعتراف کرنے والا ہوں، تجھ سے مسکین کی طرح مانگتا ہوں، اور ذلیل وگنہگار کی طرح عاجزی کرتا ہوں، ڈرنے والے کی طرح تجھے پکارتا ہوں جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہے، آنکھیں بہ رہی ہیں جسم جھکا ہوا ہے، اور ناک خاک آلودہ ہے، مجھے دعا کے بعد محروم نہ فرما، اور میرے ساتھ شفقت ورحمت کا معاملہ فرما، اے وہ بہتر وبرتر ذات جس سے ہی اپنی حاجت مانگی جاتی ہے اور جو بہترین دینے والا ہے)۔[امام طبرانی]

نیز آپ کی دعاؤں میں یہ بھی ثابت ہے:

"اللّٰھم لك الحمد كالذی نقول، وخيراً مما نقول، اللّٰھم لك صلاتی ونسكی ومحياى ومماتی، واليك مآبی، ولك ربی تراثی، اللّٰھم انی أعوذبك من عذاب القبر، ووسوسة الصدر، وشتات الأمر، اللّٰھم انی أعوذبك من شرما تجئ به الريح"۔

(اے اللہ تو ہی حمد کے لائق ہے جو ہم کہہ سکتے ہیں اور ہم جو کہہ سکتے ہیں اس سے بھی بہتر ہے، اے اللہ میری نماز، میری قربانی اور میرا جینا مرنا سب تیرے ہی لیے ہے، اور تیری طرف ہی لوٹنا ہے اور یہ سب حاصل کردہ تیرے ہی لیے ہے، اے اللہ عذاب قبر سے اور دل کے وسوسوں اور پراگندہ امور سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ میں اس شر سے جو آندھی لے کر آئے، اس سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔[امام ترمذی]

امام احمد نے حضرت عمرو بن شعیب کی حدیث سے نقل کیا ہے کہ عرفہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ تر یہ دعا تھی:

"لااله الا الله وحده لاشريك له، له الملك وله الحمد بيده الخير وهو على كل شئ قدير"۔

اے خدائے واحد جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور اس کی حمد ہے، اسی کے ہاتھ میں بھلائی ہے، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدہ/۳] (آج ہم نے آپ کا دین مکمل کردیا اور آپ پر اپنی نعمت پوری کردی اور دین اسلام آپ کے لیے پسند کرلیا)۔

جب آفتاب غروب ہوگیا اور زردی بھی ختم ہوگئی اور غروب آفتاب میں کوئی شبہ نہیں رہا تو آپؐ عرفات سے چل پڑے اور حضرت اسامہ ابن زیدؓ کو اپنے پیچھے بیٹھا لیا اور سکینت وخاموشی سے چلتے رہے، ناقہ کی لگام اپنی طرف کھینچ لی، یہاں تک کہ آپ کی تھوڑی کجاوے چھونے لگی، اس موقع پر آپؐ فرمارہے تھے: "اے لوگو! سکون واطمینان سے چلو کیونکہ تیز چلنا نیکی نہیں ہے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مازمین کے راستے سے واپس ہوئے اور ضب کے راستے سے عرفات تشریف لائے تھے۔





آپ صلی اللہ علیہ وسلم سارے راستہ میں مسلسل تلبیہ کہتے رہتے تھے، راستہ میں ایک جگہ آپ نے پیشاب کرکے وضو فرمایا، حضرت اسامہؓ نے عرض کیا: نماز پڑھنا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ "جائے نماز آگے ہے"۔ پھر آپؐ مزدلفہ پہنچے اور نماز کے لئے وضو کیا اور مؤذن کو اذان دینے کا حکم فرمایا اور اقامت کہلوائی پھر مغرب کی نماز ادا کی، نماز کے بعد لوگوں نے سامان اتارا اور سواریوں کو بٹھایا، پھر دوبارہ اقامت کہی گئی اور عشاء کی نماز ادا فرمائی، عشاء کے لیے اذان نہیں کہی، مغرب وعشاء کے درمیان آپؐ نے کوئی نماز نہیں پڑھی، پھر آپؐ سوگئے یہاں تک صبح ہوگئی۔

طلوع فجر کے بعد اول وقت میں نماز فجر ادا فرمائی اور اس کے لیے اذان واقامت کہی گئی، پھر سوار ہو کر مشعر حرام کے پاس آئے، اور قبلہ رخ ہو کر دعا وتضرع، تکبیر وتہلیل وذکر الٰہی میں مشغول ہوگئے حتیٰ کہ کافی روشنی ہوئی اور مزدلفہ کی اسی جگہ کھڑے ہو کر یہ فرمایا کہ پورا مزدلفہ وقوف کی جگہ ہے۔

پھر آپؐ مزدلفہ سے حضرت فضل بن عباسؓ کو پیچھے سواری پر بیٹھا کر چلے اور راستہ بھر تلبیہ کہتے رہے، اور حضرت اسامہ بن زیدؓ قریش کی جماعت کے ساتھ ساتھ پیدل جارہے تھے۔

یہیں راستے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ رمی الجمار کے لیے سات کنکریاں چن لیں، چنانچہ آپؐ انہیں اپنے ہاتھ میں اچھالنے لگے اور فرمانے لگے، ایسی کنکریوں سے رمی کرو اور دین میں غلو کرنے سے بچو اور پچھلی قومیں دین میں غلو کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔

جب آپ وادی محسر میں پہنچے تو اونٹنی کی رفتار تیز کردی، آپؐ کا طریقہ یہی تھا کہ جب ان مقامات میں پہنچتے، جہاں قوموں پر عذاب نازل ہوا ہے تو آپؐ تیزی سے نکل جاتے، اس جگہ اصحاب فیل پر عذاب نازل ہوا تھا جس کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ذکر کیا ہے، اسی وجہ سے اس جگہ کا نام وادی محسر رکھا گیا یعنی روک دینا، اس جگہ ہاتھی مکہ میں داخل ہونے سے رک گئے تھے۔

اسی طرح مقام حجر سے گزرتے ہوئے بھی آپؐ نے کیا تھا۔ محسر، منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان حد فاصل ہے اور دونوں میں سے کسی میں سے نہیں ہے، اس طرح "عرنہ" عرفات اور مشعر حرام کے درمیان حد فاصل ہے، اس طرح دو مشاعر کے درمیان ایک حد فاصل ہے جو نہ اس میں داخل ہے اور نہ اُس میں۔

چنانچہ منیٰ حرم میں داخل ہے اور مشعر بھی ہے اور محسر حرم میں داخل تو ہے لیکن مشعر نہیں، اور مزدلفہ حرم بھی ہے اور مشعر بھی ہے اور عرنہ حل میں ہے اور مشعر نہیں ہے، اور عرفات حل میں داخل ہے اور مشعر بھی ہے۔

آپؐ جب منیٰ پہونچے تو درمیانی راستہ سے جمرہ عقبہ کے پاس آئے اور جمرہ کے سامنے وادی میں اس طرح کھڑے ہوئے کہ مکہ آپؐ کے بائیں اور منیٰ آپ کے دائیں ہاتھ تھا، پھر طلوع آفتاب کے بعد سواری پر سے یکے بعد دیگرے سات کنکریاں پھینکیں، ہر کنکری پر تکبیر کہتے تھے اور لبیک کہنا بند کردیا تھا، پھر آپ منیٰ واپس آئے اور ایک فصیح وبلیغ خطبہ دیا، جس میں لوگوں کو قربانی کے دن کی حرمت وعظمت اور فضیلت بیان فرمائی اور مکہ مکرمہ کی تمام شہروں پر فضیلت سے آگاہ کیا اور حکم فرمایا کہ کتاب اللہ کے مطابق جو حکمرانی کرنے والے ہوں ان کی اطاعت کریں، مزید ارشاد فرمایا کہ مجھ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) سے مناسک حج سیکھ لیں، ممکن ہے کہ یہ آخری حج ہو، پھر لوگوں کو حج کے مسائل کی تعلیم دی اور مہاجرین اور انصار کو اپنے مرتبوں پر رکھا اور یہ حکم دیا کہ آپ کے بعد کفر کی طرف نہ لوٹیں اور ایک دوسرے کو قتل نہ کریں، آپؐ نے تبلیغ احکام کا حکم دیا اور بتایا کہ: "بہت سے سننے والے بھول جاتے ہیں اور ان سے سیکھنے والوں کو یاد رہتا ہے"، خطبہ میں آپ نے فرمایا کہ "مجرم خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے"۔

مہاجرین کو آپؐ نے قبلہ کے دائیں طرف اور انصار کو بائیں طرف اتارا، دوسرے لوگ ان کے اردگرد تھے، اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اندر اتنی قوت سماعت پیدا کردی تھی کہ اہل منیٰ نے بھی اپنے اپنے گھروں میں آپ کا خطبہ سنا۔

آپؐ نے خطبہ میں مزید فرمایا کہ "اپنے رب کی عبادت کرو اور پانچوں نمازیں پڑھو اور مہینے کے روزے رکھو، جب حکم دیا جائے تو اطاعت کرو اور اپنے رب کی جنت میں داخل ہوجاؤ"۔

پھر آپؐ نے لوگوں کو الوداع کیا تو لوگ کہنے لگے یہ حجۃ الوداع ہے، پھر آپ منیٰ میں قربانی کے مقام پر تشریف لے گئے، چنانچہ وہاں تریسٹھ اونٹ ذبح کیے، زندگی کے سال کے مطابق تریسٹھ اونٹ ذبح کرنے کے بعد بقیہ اونٹوں کو ذبح کرنے کے لیے آپؐ نے سو میں سے حضرت علیؓ کو حکم دیا اور ان کے جھول، کھال اور گوشت کو مسکینوں میں تقسیم کردیا، قصاب کو اجرت میں قربانی کی کوئی چیز دینے سے منع فرمادیا اور بتایا کہ ہم اسے اپنے پاس سے اجرت دیں گے، پھر فرمایا کہ جو چاہے قربانی میں سے گوشت کاٹ کرلے جائے۔

(..........بقیہ صفحہ ۱۷ پر)

راہ عمل

# مدارس میں نئے تجربے کی ضرورت

مولانا سید محمد الحسنیؒ

اس وقت عربی مدارس کو تقریباً یکساں مسائل درپیش ہیں، ان مسائل میں مختلف شعبوں اور فنون کے لیے لائق اور مؤثر اساتذہ کی فراہمی، باہمی اختلافات، حلقہ بندیاں، دائرہ اثر بڑھانے کی شدید خواہش، دوہرا طرزِ عمل، طلبہ کی بے راہ روی، جدید تحریکوں کی نقالی، اخلاقی زبوں حالی اور اس طرح کی متعدد چیزیں شامل ہیں، لیکن ان سب باتوں کے ساتھ ایک چیز اور ہے، جس کی طرف پوری توجہ نہ ہونے کی وجہ سے مدرسہ کے ماحول کا تقریباً ۵۰ فیصدی حصہ متاثر بلکہ معطل ہے اور اس کا تعلق ہمارے طلبہ سے زیادہ ہے۔

اور وہ ہے منضبط اور طے شدہ نظام الاوقات، دوسرے الفاظ میں زندگی کا ایسا نظام اور ڈھانچہ جس میں فاسد خیالات اور غلط سرگرمیوں کے لیے خود ہی کوئی گنجائش نہ ہو، اور جس کے ذریعہ کردار اور سیرت کی تعمیر آسان اور قابل عمل ہو۔

انفرادی زندگی میں ہم سب کو اس قسم کی چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے اور ہم اس کو اکثر اسی راستہ سے حل کرتے ہیں، ہمارا لڑکا اگر اسکول سے آتا ہے اور دن کا باقی حصہ مضر یا فضول کاموں میں گذارتا ہے تو ہم اس کو کسی اور چیز میں مشغول کرنا چاہتے ہیں، گھر کے کام کا حصہ اس کے لیے بڑھا دیتے ہیں یا کسی دکان پر بٹھاتے ہیں، کسی اچھے کھیل یا ورزش کا پابند بناتے ہیں، غرض کہ کسی نہ کسی طریقہ سے ہم اس کے وقت کو اس طرح گھیر دیتے ہیں کہ اس کو بری باتیں سیکھنے یا وقت ضائع کرنے کی عادت ہی نہ پڑے اور کسی چیز کا چسکہ نہ لگنے پائے۔

یہ چسکہ جو ہم کو بڑا بے ضرر اور ہلکا پھلکا لفظ معلوم ہوتا ہے، یہی دراصل سارے فساد کی جڑ ہے یہ ساری تنبیہ و تعزیر اور وعظ و تقریر کے باوجود اپنا کام کرتا رہتا ہے اور جب تک اس کو راستہ ملتا ہے کوئی طاقت اس کو باز نہیں رکھ سکتی، لیکن: ﴿إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا﴾ کے مطابق بہت جلدی دم بھی توڑ دیتا ہے اور اگر اس کو کچھ دن راستہ نہ ملے تو آسانی سے قابو میں آجاتا ہے بلکہ ہمارا مطیع و فرمانبردار بن جاتا ہے۔

برے کام کا آغاز اتنا برا نہیں جتنا برے کام کا چسکہ اور عادت بری ہے، یہ چسکہ یا عادت ہمیشہ اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اس کو اس کا مسلسل موقع ملتا رہے، بار بار کرنے کی نوبت آئے، کوئی مشغولیت اس کو روکنے والی نہ ہو، وقت مساعد ہو اور اس میں اتنی مہلت ہو، اکثر تخریبی کام خواہ وہ فکری ہوں یا سیاسی یا اخلاقی اسی خلا میں پرورش پاتے ہیں جو نظام الاوقات اور ڈسپلن کے فقدان سے پیدا ہوتا ہے۔

نظام الاوقات اور ڈسپلن کا مطلب آمریت نہیں، اسکا مطلب یہ ہے کہ ہمارے سب اوقات اس نصب العین، مقصد اور دعوت کے تابع ہوں جس کے لیے یہ مدرسے قائم کئے گئے ہیں، یہ دعوت اور تخیل محض ایک ایسی کتابی یا تقریری چیز بن کر نہ رہ جائے جس کو چند گھنٹے سن لینے اور پڑھ لینے کے بعد ہمارے دل و دماغ اور وقت کا باقی سارا حصہ غلط کاموں میں صرف ہو۔

اس معاملہ میں غفلت و سستی کا ایک بنیادی سبب یہ ہے کہ جو وقت ہمارے مقصد کے لیے خرچ نہیں ہوا ہے ہم اس کو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ صرف ضائع ہوا، حالانکہ ضائع ہونے کا تخیل ہی سرے سے غلط ہے، جس وقت کو ہم کہتے ہیں کہ ضائع ہو رہا ہے وہ دراصل ہمارے خلاف جا رہا ہے، اور ہماری عاقبت بنا رہا ہے یا بگاڑ رہا ہے، جو وقت ہمیں خالی اور بے کار نظر آتا ہے، وہ بھی کسی چیز کے زیر سایہ اور زیر اثر ہوتا ہے، نیت کے مسئلہ پر غور کرنے سے یہ بات ہمیں خوب اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔

ہمارے وسیع تر مقاصد کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارے طلبہ کے لیے عربی مدرسوں میں علوم دینیہ کے ساتھ کردار سازی اور تعمیر سیرت کا بھی پورا انتظام ہو، وہ پڑھنے کے بعد آزادانہ نہ چھوڑ دیئے جائیں، بلکہ مسلسل ایسے کاموں میں مشغول رکھے جائیں جن سے ان کے دل و دماغ اور جسم تینوں کو اپنی غذا ملے، ان کے درمیان صحیح تناسب اور توازن برقرار رہے، ان کی زندگی عملی، مشغول، سرگرم اور رواں دواں معلوم ہو، ان کے نظام الاوقات میں مطالعہ بھی ہو، وعظ و تقریر بھی ہو، جسمانی ورزش اور کھیل بھی ہوں، مقابلے بھی ہوں، خدمت کے کام بھی ہوں، اس میں ان کی تربیت بھی ہو تفریح بھی، سنجیدگی بھی اور شگفتگی بھی، کردار کی مضبوطی اور وسیع القلبی اور عالی نظری بھی، تخریبی قوتوں کی یلغار اور مادیت و حیوانیت کی ان پرشور اور تند و تیز موجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے جن کو ہم اپنے گھروں اور دینی تعلیم گاہوں میں گھستا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اب محض درس و تدریس یا اس کے ساتھ کچھ ہلکے پھلکے تعلیمی و ادبی پروگرام کافی نہیں، اس کے لیے دعوت کا حصار بھی ضروری ہے، مضبوط کیرکٹر، اعلیٰ اخلاق، زندگی کا مؤثر طرز اوقات کی بہترین تقسیم، دلکش و زندہ نمونوں ناقابل انکار کردار اور ناقابل تردید معیار و پیش کش کی ضرورت ہے اور ان چیزوں کا حصول زندگی کے اس نئے ڈھانچہ کے بغیر ممکن نہیں جس میں ہنگامی طریقہ پر اور بہت سرعت اور وسعت کے ساتھ شب و روز کی ہر ساعت کو دعوت و اخوت اور نظام کے ایک نئے پیکر میں ڈھال لیا جائے۔

اگر ایسا کر لیا جائے گا تو اسکا پہلا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے وہ طلبہ جو منتشر اکائیاں معلوم ہوتے ہیں اور بے ربط و بے ضبط نظر آتے ہیں، ایک ٹیم کی طرح جذبہ مسابقت کے ساتھ کام کریں گے اور تعمیری کاموں اور شب و روز کی مشغولیتوں سے اگر ان کا وقت بچے گا تو وہ جائز تفریح میں صرف ہوگا تا کہ نئی محنت کے لیے نیا نشاط اور نیا خون پیدا ہو سکے یا آرام و راحت کے وقفہ میں تا کہ تازہ دم ہو کر وہ اپنے کاموں کی طرف متوجہ ہو سکیں، اس طرز کی زندگی ملت کے کسی اور طبقہ کے لیے اس قدر ضروری ہو یا نہ ہو، مدارس عربیہ کے طلبہ کے لیے بہت ضروری ہے، جن کے ہاتھ میں ملت کی قیادت اور اپنی رہنمائی کا منصب رفیع ہے، اور جو علوم نبوت کے حامل اور قرآن و حدیث کے شارح و ترجمان ہیں۔

مدارس کے تمام مسائل جن کی طرف کچھ اشارے آغاز کلام میں کئے گئے ہیں، اپنی جگہ بہت اہمیت رکھتے ہیں اور پوری توجہ کے مستحق ہیں، لیکن جس کام کی طرف ان سطور میں متوجہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، وہ طلبہ، اساتذہ اور منتظمین مدارس عربیہ سب سے متعلق ہے، سب پر اس کی ذمہ داری ہے اور اس میں وہ مواقع اور رکاوٹیں بھی نہیں ہیں جو دوسرے مسائل میں بکثرت ہیں۔

یہ وہ کام ہے جس میں کسی کو اختلاف نہ ہونا چاہیے، یہ طلبہ کے ساتھ عین انصاف اور ہمدردی کی بات ہوگی اور اگر حسن نیت اور خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ کیا جائے گا تو انشاء اللہ بہت قلیل عرصہ میں اس سے امید افزا نتائج نکلیں گے، اور مدارس کی ان روز افزوں الجھنوں و پیچیدہ مشکلوں اور ان اخلاقی امراض اور وباؤں کا بڑی حد تک سد باب ہو سکے گا جن کے دفعیہ کی کوئی شکل اس وقت ہمیں نظر نہیں آرہی ہے، صرف یہی جذبہ اس مضمون کا محرک ہے اور امید ہے کہ اس جذبہ کے ساتھ اس کو پڑھا جائے گا اور مدارس کے ذمہ دار اور اہل فکر اس پر غور کرنے کی زحمت فرمائیں گے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ صفحہ ۱۵ کا

آپؐ نے منیٰ کے مذبح میں جانور ذبح کیا اور یہ فرمایا کہ پورا منیٰ کا علاقہ جائے قربانی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منیٰ میں عرض کیا گیا کہ یہاں آپ کے لیے پہلے سے کوئی خیمہ وغیرہ لگا دیا جائے تا کہ گرمی سے حفاظت ہو سکے تو آپؐ نے اجازت نہ دی اور فرمایا کہ منیٰ میں جو پہلے جہاں پہنچ گیا، وہ اس جگہ کا حقدار ہو گیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجام سے فرمایا کہ شروع کرو، جب وہ فارغ ہوا تو آپؐ نے اپنے پاس والوں پر وہ بال تقسیم فرما دیے۔

پھر منیٰ آکر وہیں رات گزری، جب صبح ہوئی تو زوال آفتاب تک انتظار کیا، جب سورج ڈھل گیا تو جمرات کی طرف پیدل تشریف لے گئے، اور جمرہ اولیٰ سے شروع کیا، جو مسجد خیف سے متصل ہے، تیسرے جمرہ تک ہر ایک پر سات سات کنکریاں پھینکیں، ہر کنکری پر تکبیر کہتے اور جب سات پوری ہو جاتیں تو ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے تھے، دعا اتنی طویل کرتے جتنی سورہ البقرہ پڑھی جا سکے لیکن تیسرے جمرہ پر دعا نہیں فرمائی اور کنکریاں پھینکنے کے بعد ہی واپس ہو گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے دوران چھ مقامات پر دعا کے لیے ٹھہرے، کوہ صفا پر، کوہ مروہ پر، میدان عرفات میں، مزدلفہ میں، جمرہ اولیٰ کے قریب اور جمرہ ثانیہ کے قریب۔

آپؐ نے منیٰ میں دو خطبے دیے، ایک قربانی کے دن جس کا ذکر ہو چکا ہے، دوسرا ایام تشریق کے درمیانی دن میں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن میں کنکری مار کر جانے میں جلدی نہیں کی بلکہ تیسرے دن بھی رک کر پورے تین دن کنکری ماری اور منگل کے دن ظہر کے بعد وادی محصب کی طرف روانہ ہوئے، وہاں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا فرمائی اور سو گئے، پھر اٹھ کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور سحری کے وقت طواف وداع فرمایا۔ [زاد المعاد: ۲/۱۰۲]

(جاری)

سنت ابراھیمی

# قربانی - فضائل ومسائل

مولانا محمد زکریا سنبھلی ندوی

"تعمیر حیات" کا یہ شمارہ جس وقت آپ کے ہاتھ میں پہنچے گا، ذی الحجہ شروع ہو چکا ہوگا اور قربانی کا وقت قریب ہوگا، اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو قربانی کی توفیق عطا فرمائے، اور اس کے اجر وثواب سے نوازے۔

مسلمانوں کے صرف دو تہوار ہیں: عید الفطر اور عید الاضحیٰ، عید الاضحیٰ میں جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے جو اللہ نے اپنے صاحب استطاعت بندوں پر واجب کی ہے، اور صرف رضاء الٰہی حاصل کرنے کے لیے کی جاتی ہے، لیکن یہ عام بات ہے کہ اجتماعی عبادات میں رسم ورواج کا رنگ غالب آجاتا ہے اور عبادت کی روح ان سے نکل جاتی ہے، قربانی کا حال بھی کچھ اسی طرح کا ہے کہ اس میں عبادت کی روح کم ہوگئی ہے، اور رسم ورواج کا رنگ غالب آگیا ہے، حالانکہ یہ صرف عبادت اور اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، جو صرف اللہ کو راضی کرنے لیے ہونی چاہیے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ ۔

قربانی کی تو روح ہی یہ ہے کہ بندہ صرف اپنے مالک کو خوش کرنے اور اسے راضی کرنے کے لیے اپنا مال ومتاع اور اپنی عزیز ترین چیز اس کے حکم کے مطابق قربانی کردے، جانوروں کی قربانیاں تو اپنے اس جذبے کا مظہر اور اپنی عبدیت اور بندگی کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔

اگر ان میں نام ونمود اور رسم ورواج کا دخل ہوگا تو نہ صرف یہ کہ یہ قربانیاں مقبول نہ ہوں گی، بلکہ اللہ کی طرف سے سخت مواخذہ کا بھی خطرہ ہے کہ اللہ کی مخلوق کو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے بجائے صرف اپنے نام ونمود اور اپنے گھر اور خاندان یا اہل محلّہ کی شان بڑھانے اور اہل شہر کے رسم ورواج کے نام پر ذبح کیا گیا، اس طرح کی جانے والی قربانی، قربانی نہ ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ایک معصوم مخلوق کو ناجائز طریقہ پر قتل کرنا ہوگا، یہ بات ہم لوگ اچھی طرح سمجھ لیں اور قربانی کرتے وقت یا جانور خریدتے وقت اپنی نیت درست کرلیں۔

یہ قربانی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔

حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بعض صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ان قربانیوں کی حقیقت اور بنیاد کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تمہارے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔

صحابہ کرامؓ نے پھر عرض کیا کہ اس میں ہمارے لیے کیا اجر وثواب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قربانی کے جانور کے ہر بال کے عوض ایک نیکی۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ کیا بھیڑ کے اون کا بھی یہی حساب ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما: ہاں! بھیڑ کے ہر بال کے بدلے بھی ایک نیکی ملے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت بتلایا ہے، حضرت ابراہیمؑ کا وہ واقعہ جس کی وجہ سے ملت ابراہیمی کے لیے قربانی کو واجب قرار دیا گیا ہے، قرآن مجید نے اس کو بڑی اہمیت اور تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ يٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ، اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰؤُا الْمُبِيْنُ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ﴾ ۔ [الصافات/۳۴]

ان آیات کا خلاصہ اور مفہوم یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی پیرانہ سالی میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھے نیک اور صالح اولاد عطا فرما، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور انہیں ایک بہت ہی نیک اور صالح بچہ عطا فرمایا، قرآن مجید کی دوسری آیات اور احادیث میں ذکر ہے کہ وہ صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ تھے۔

جب یہ صاحبزادے بڑے ہوئے اور باپ کا سہارا، اور دست راست بنے تو اللہ نے خواب میں حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ اپنے اس بیٹے کو ذبح کردو۔





حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ مجھے اللہ کا حکم ہے کہ میں تم کو ذبح کردوں، حضرت اسماعیلؑ بھی حضرت ابراہیمؑ ہی کے فرزند تھے وہ فوراً خود کو قربان کرانے کے لیے تیار ہوگئے، بلکہ باپ کو بھی اطمینان دلانے لگے کہ ﴿سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (ابا جان! آپ بے فکر رہیں، انشاء اللہ میں ثابت قدم رہوں گا)۔

اس کے بعد دونوں باپ بیٹے تیار ہوگئے اور باپ نے اپنے لخت جگر کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کے لیے زمین پر لٹا دیا، اللہ کو امتحان مقصود تھا، ندا آئی، ابراہیمؑ! تم نے خواب میں دیے جانے والے حکم کی پوری تعمیل کی، اور اس امتحان میں کامیاب ہوئے، اس واقعہ کو ذکر فرمانے کے بعد خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰؤُا الْمُبِيْنُ﴾ کہ یہ واقعی بہت ہی سخت امتحان اور کڑی آزمائش تھی، جس میں ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ پوری طرح کامیاب ہوئے، اس کے بعد حضرت اسمٰعیلؑ کی جگہ آسمان سے ایک دنبہ بھیجا جس کو ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیلؑ کے بدلہ ذبح فرمایا، یہ ہے وہ سنت ابراہیمی جس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: "سنة أبيكم ابراهيم"۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے دونوں محبوب بندوں کی یہ اطاعت وفرمانبرداری اتنی پسند آئی کہ قیامت تک کے لیے اپنے صاحب استطاعت بندوں کے لیے قربانی کو واجب قرار دے دیا۔

ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کے واسطہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل کیا ہے کہ: "من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا" یعنی اگر کوئی شخص صاحب استطاعت ہوتے ہوئے بھی قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے، وجوب کے باوجود قربانی نہ کرنے والوں کے لئے یہ کتنی سخت وعید ہے، اس کے علاوہ جن لوگوں پر قربانی واجب نہیں ہے، وہ بھی اگر قربانی کریں تو کتنا عظیم ثواب ہے کہ قربانی کے جانور کے ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی ان کو ملے گی، کوئی اندازہ لگا سکتا ہے کہ ایک بھیڑ یا بکری کو اللہ کے لیے قربان کرنے پر اس کو کتنی نیکیاں ملیں گی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قربانی کے دن کوئی بھی عمل قربانی کے برابر نہیں ہوسکتا، اور اس دن اللہ کے لیے جانور ذبح کرنا، اور خون بہانا اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل ہے اور قیامت کے روز قربانی کا جانور اپنے سینگ، بال اور کھر یعنی جملہ اعضاء بدن کے ساتھ اللہ کے حضور میں حاضر ہوگا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے بارگاہ خداوندی میں درجہ قبولیت حاصل کرلیتا ہے۔

اب اس کے بعد قربانی کے سلسلہ میں چند مسائل لکھے جاتے ہیں بہت سے اللہ کے بندے قربانی کرنے کے باوجود مسائل سے ناواقفیت کی وجہ سے ثواب سے محروم رہتے ہیں، اور ان کے ذمہ سے وجوب بھی ساقط نہیں ہوتا، سب سے پہلی اور اہم بات تو یہ ہے کہ قربانی صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے اور اس کے حکم کی تعمیل کے لیے ہونی چاہیے، اور اگر نیت میں تھوڑی سی بھی خرابی ہو تو قربانی نہ ہوگی، حتیٰ کہ گوشت کھانا بھی مقصد نہ ہو، بلکہ اگر چند لوگوں نے مل کر قربانی کی اور ان میں سے کسی کی نیت صرف گوشت کھانے کی تھی تو کسی کی بھی قربانی نہ ہوگی، دوسری بات یہ ہے کہ قربانی صرف اللہ کے نام پر ہو، کسی غیر اللہ کے نام پر نہ ہو، حتیٰ کہ فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے قربانی کرتے وقت "بسم الله ومحمد رسول الله" پڑھا تو ذبیحہ درست نہ ہوگا اور وہ جانور مردار سمجھا جائے گا۔

قربانی کا جانور حتی الوسع تندرست، موٹا خریدنا چاہیے، اس لیے کہ حدیث میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قربانی کے جانوروں کو خوب موٹا کرو کیونکہ کل قیامت کے دن (پل صراط پر) تمہاری سواریاں ہوں گے۔

قربانی کے جانور میں عیب نہ ہونے چاہئیں اگر وہ اندھا یا ایک آنکھ کا ہے یا اس کا ایک سینگ جڑ سے یا تہائی یا آدھے سے زیادہ ٹوٹا ہوا ہے یا دم کٹی ہوئی ہے یا ایک کان کٹا ہوا ہے یا ان اعضاء میں سے کوئی ایک عضو تہائی ٹوٹا یا کٹا ہوا ہے یا ایک پاؤں اس طرح ٹوٹا ہوا ہے کہ اس کو زمین پر رکھ کر نہیں چلتا، یا اتنا دبلا اور کمزور ہے کہ ہڈیوں کا گودا بھی پگھل گیا ہے تو قربانی درست نہ ہوگی، جس جانور کے اکثر دانت ٹوٹے ہوئے ہیں، اس کی بھی قربانی نہ ہوگی، البتہ یہ عیب اگر خریدنے کے بعد پیدا ہو جائے تو مالدار شخص دوسرا جانور خریدے اور غریب اسی کو ذبح کردے، قربانی کے جانور کی کھال یا اس کو بیچ کر اس کی قیمت صدقہ کردیجیے، لیکن اگر کھال خود استعمال میں لے

آئے تب بھی درست ہے، البتہ بیچ کر قیمت استعمال کرنا درست نہیں، اسی طرح اس کی رسی وغیرہ بھی صدقہ کر دیجیے، قربانی کا گوشت خود کھائیے، دوسروں کو کھلایئے اور ایک تہائی گوشت غرباء کو صدقہ کر دیجیے تو بہتر ہے، اپنی قربانی کو خود ذبح کرنا بہتر ہے، ذبح سے پہلے یہ دعا پڑھیے۔

﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ﴾، "اللّٰھم منك ولك"۔ اس کے بعد "بسم اللہ اکبر" کہہ کر ذبح کیجیے اور ذبح کے بعد یہ دعا پڑھیے۔

"اللّٰھم تقبلہ منی کما تقبلت من حبیبك محمد و خلیلك ابراھیم علیھما الصلوٰۃ والسلام"۔ لیکن اگر کوئی شخص خود ذبح نہیں کر سکتا، تو دوسرے کے ذبح کرنے میں کوبھی کوئی حرج نہیں ہے، دوسرا شخص "اللّٰھم تقبل منی" میں "منی" کے بجائے "من فلاں" یعنی اس کا نام لے، مثلاً "من زید" وغیرہ، اور اگر بھینس، اونٹ وغیرہ کوئی بڑا جانور ذبح کیا ہو تو "من" کے بعد تمام شرکاء کے نام لینا چاہئیں، شرکاء کے درمیان گوشت کی تقسیم میں احتیاط سے کام لینا چاہیے، اندازے سے تقسیم نہ کریں ورنہ گناہ ہوگا، گائے، بھینس میں سات شخص شریک ہو سکتے ہیں اور بکرے بکری میں صرف ایک شخص، مالدار حضرات اپنے بچوں اور عزیزوں خصوصاً مرحوم والدین اور بزرگوں کی طرف سے بھی قربانی کر دیں تو بہت بہتر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے قربانی کرنا امتی کے لیے نہایت سعادت اور خوش نصیبی کی بات ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہمیشہ قربانی کرتے تھے، لیکن ملحوظ رہے کہ سب سے پہلے آپ اپنی جانب سے قربانی کریں اور اپنے واجب کو ادا کریں، لیکن لوگ باوجود واجب ہونے کے اپنی جانب سے قربانی کرنے کے بجائے اپنے مرحوم والد یا مرحومہ والدہ کی جانب سے قربانی کرتے ہیں اور اسی کو بہتر سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ درست نہیں ہے، مرحومین کی جانب سے قربانی کرنا مستحب ہے اور صاحب استطاعت حضرات کو اپنی جانب سے قربانی کرنا واجب ہے، غریب اور مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے، شہروں اور قصبوں میں جہاں نماز عید ہوتی ہے نماز عید کے بعد سے بارہ ذی الحجہ کے غروب شمس سے پہلے تک قربانی ہو سکتی ہے، دیہات میں ۱۰ ذی الحجہ کی طلوع فجر کے بعد ہی وقت شروع ہو جاتا ہے، ہمارے یہاں بہت سے دیہات میں عید کی نماز ہوتی ہے، حالانکہ فقہی اعتبار سے نہ ہونی چاہیے، وہاں کے لوگ بھی نماز کے بعد ہی کریں، احتیاط اسی میں ہے، واللہ أعلم۔

☆☆☆☆☆

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی جدید ودیدہ زیب طباعت

☆منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین

از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

جس میں بنی نوع انسان اور تمدن انسانی پر نبوت کے احسانات، انبیاء کرام کی امتیازی خصوصیات، نبوت کے پیدا کردہ ذہن ومزاج اور طریقہ فکر و نبوت کے تیار کردہ انسانی نمونوں، نیز نبوت محمدی کے لافانی کارناموں اور ختم نبوت کی ضرورت واہمیت اور اس کے دوررس، عمیق اور انقلاب انگیز اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

صفحات: ۳۱۰ قیمت: ۱۳۰

☆تحفۂ انسانیت (حدیث مالوہ)

از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

یہ کتاب مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے اس دورہ کی بولتی ہوئی روداد ہے جو انہوں نے حلقۂ پیام انسانیت کے تحت بھوپال، اجین، اندور، اور مالوہ کا کیا تھا، جس میں جابجا طلباء واساتذہ، وکلاء وجج صاحبان، سیاسی وعلمی شخصیتوں اور مذہبی رہنماؤں سے خطاب کیا گیا ہے اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ اس وقت ملک کو اصل خطرہ کس چیز کا ہے اور علماء ودانشور طبقہ کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟

صفحات: ۲۳۲ قیمت: ۱۱۰

نوٹ: طلباء کے لئے خصوصی رعایت

ناشر: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

پوسٹ بکس ۱۱۹، ندوۃ العلماء کیمپس، ٹیگور مارگ، لکھنؤ

Ph No.: 0522-2741539 - Mob No.: 9889378176

Email.airpnadwa@gmail.com





سخن دلپذیر

# علم کے بڑے درجے ہیں

مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی

آپ سب یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، بچوں کے سرپرست بھی یہاں ہیں، بچوں نے بھی اپنی باتیں سنائی ہیں اپنی بچکانہ زبان میں، اگرچہ انکی زبان بچکانہ ہی صحیح، لیکن باتیں بڑی بڑی تھیں اور بڑوں نے بھی اپنی باتیں آپ کے سامنے رکھی ہیں، یہ سب وہ باتیں ہیں جو ہمارے پیدا کرنے والے نے ہم کو بتائی ہیں، ہم کو سمجھائی ہیں اور ہمارے لیے دنیا میں رکھی ہیں، جس میں سے تھوڑا سا حصہ ہم کو ملا ہے، اس کے لیے بہت تھوڑا کا لفظ بھی بہت کم ہے، یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ بہت تھوڑا، ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تقریر فرما رہے تھے اور ظاہر ہے کہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے، پیغمبر تھے، سب سے بڑے دانا وعقلمند اور سب سے بڑے بدھی جیوی تھے، وہ بہت عمدہ عمدہ باتیں بتا رہے تھے، ایک صاحب نے پوچھا کہ حضرت اتنی عمدہ عمدہ باتیں آپ بتا رہے ہیں، اور ایسے ایسے نکتے آپ لوگوں کے سامنے بیان فرما رہے ہیں، کیا کوئی آپ سے بڑھ کر بھی عالم ہے؟ ظاہر ہے نبی تھے، اور نبی اپنے وقت کا سب سے بڑا عالم ہوتا ہے، اس لیے انہوں نے کہا: اس وقت مجھ سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے، لیکن اللہ میاں کا معاملہ ہے، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کہا: کیسے تم نے کہہ دیا کہ مجھ سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے، میرا ایک بندہ ہے جو اپنے پاس ایسا علم رکھتا ہے جو تمہارے پاس نہیں، موسیٰ نے کہا: بتایئے، وہ کہاں ملیں گے؟ میں بھی ان سے جا کر ملوں، بڑے لوگ اکڑتے نہیں، جو جتنا بڑا ہوگا اس کے اندر اتنا ہی جھکاؤ ہوگا، فوراً وہ اپنی غلطی مان لے گا اور جھک جائے گا، جو چھوٹے لوگ ہوتے ہیں وہ زیادہ اکڑتے ہیں، موسیٰ نے دعویٰ نہیں کیا تھا، حقیقت بتائی تھی، کیونکہ نبی اپنے زمانے کا سب سے بڑا عالم ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جاؤ جہاں دو دریا آپس میں ملتے ہیں وہاں ملیں گے، موسیٰ چل دیے اور نشانی اللہ سے پوچھ لی تو قرآن مجید میں بتایا گیا ہے کہ جو مچھلی تم نے کھانے کے لیے رکھی ہے وہ ایک جگہ زندہ ہو کر پانی میں چلی جائے گی بس وہ وہیں ملیں گے، موسیٰ نے اپنے خادم سے کہہ دیا کہ نگرانی رکھو، مچھلی جب نکلے تو بتا دینا، لیکن وہ چلے جا رہے تھے، اور وہ بھی بھول گئے، جب آگے چلے گئے تو تھکن محسوس ہوئی، موسیٰ نے کہا: میاں! ذرا مچھلی لاؤ جو تم کھانے کے لیے لائے ہو، خادم نے کہا: حضرت وہ تو نکل گئی، حضرت موسیٰ نے کہا: ارے اللہ تعالیٰ کے بندے وہی تو جگہ ہے جہاں وہ ملیں گے، الٹے پاؤں اس جگہ واپس آئے اور دیکھا کہ وہ صاحب چادر اوڑھے لیٹے ہوئے ہیں، موسیٰ نے سلام کیا تو انہوں نے منہ کھولا اور کہا: یہاں سلام کرنے والا کون آ گیا؟ موسیٰ نے کہا: میں موسیٰ ہوں، کہا: اچھا بنی اسرائیل کے موسیٰ، کہا: ہاں۔ پھر فرمایا: اچھا آیئے تشریف لایئے، کیسے آنا ہوا؟ کہا: میں آپ کے پاس سیکھنے آیا ہوں، حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: میرے ساتھ چل نہیں پاؤ گے، تو انہوں نے کہا: نہیں، میں تو چلوں گا۔ خضر علیہ السلام نے کہا ٹھیک ہے لیکن بولنا نہیں، حضرت موسیٰ نے قبول کر لیا، اس طرح سے حضرت موسیٰ ان کے ساتھ لگ گئے، پھر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ ان کے قصے بھی سنائے ہیں، کہنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ راستے میں کشتی میں بیٹھ کر دونوں چلے جا رہے تھے، اتنے میں ایک چڑیا آئی، کشتی پر بیٹھ گئی اور سمندر میں چونچ ماری، اس کے منہ میں کتنا پانی آیا ہوگا؟ حضرت خضر نے موسیٰ سے فرمایا: میرا علم اور آپکا علم اللہ کے علم کے مقابلے میں اتنا ہی ہے جتنا کہ چڑیا کی چونچ میں پانی آیا، بلکہ اس سے بھی کم ہے اور اللہ کا علم اس سمندر سے بھی زیادہ ہے، ظاہر ہے ہمارے اور آپ کے پاس علم ہی کیا ہے، قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے: ﴿وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا﴾ یعنی کہ تم کو نہیں دیا گیا ہے علم میں سے مگر بہت ہی تھوڑا، تو اللہ میاں نے کہا بہت ہی تھوڑا، اس بہت ہی تھوڑے کا نظارہ ساری دنیا میں دکھائی دے رہا ہے، بڑی بڑی لائبریریاں، بڑی بڑی بلڈنگیں، بڑے بڑے کالجز، بڑے بڑے دارالعلوم، یہ سب تھوڑے کے اندر سما گئے، اللہ کا تھوڑا بھی بہت زیادہ ہے اور ہمارا بہت زیادہ بھی بہت تھوڑا ہے، اس لیے کہ حدیث میں آتا ہے کہ دنیا کی حیثیت اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے، جب دنیا مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے تو علم تو بہت ہی تھوڑا ہے، اس لیے جس کو علم ملا ہو اس کو اترانا نہیں چاہیے، اس کو یہ سمجھنا

چاہئے کہ یہ بہت تھوڑا ہے، ہماری کوئی حیثیت ہی نہیں، اسی لیے جو بڑے لوگ ہوتے ہیں، ان کو تھوڑا ہونے کا احساس بہت زیادہ ہوتا ہے، کہتے ہیں کہ کنویں کا جو مینڈھک ہوتا ہے وہ بہت ٹراتا ہے، چلاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ہم بہت بڑے ہیں، کنویں کے پانی کو دیکھ کر سمجھتا ہے کہ ہمارے پاس جتنا پانی ہے اور کسی کے پاس کہاں؟ اور جو تالاب کا ہوتا ہے وہ اپنے کو سب سے بڑا سمجھتا ہے اور بہت ہنگامہ کرتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اس کے تالاب اور کنویں کی حیثیت کیا ہے، لیکن جو سمندر کے اندر ہوتا ہے وہ بالکل خاموش رہتا ہے، اس لیے کہ سمندر اتنا بڑا ہے کہ اس کے اندر آواز کر کے کیا کریں گے، یہاں تو تالاب سے باہر نکلتے ہیں اور ٹرانا شروع کر دیتے ہیں اور سمندر میں جانے کے بعد بالکل کھو جاتے ہیں، ایسے ہی جو بڑے عالم ہوتے ہیں، علم کے سمندر میں جب وہ غوطہ لگاتے ہیں تو اسی میں قلابازیاں کھاتے رہتے ہیں اور جو چھوٹے موٹے لوگ ہوتے ہیں وہ ذرا سا علم حاصل کیا نہیں کہ مینڈھک کی طرح چلانے لگتے ہیں کہ میں ایسا ہوں، میں ویسا ہوں تو ظاہر ہے کہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی، تو علم جو ہے وہ بہت بڑی چیز ہے، اس لیے جو زیادہ علم والا ہوتا ہے وہ زیادہ ہنگامہ نہیں کرتا، وہ بہت آہستگی کے ساتھ موتیاں نکالتا ہے اور اندر سے ہیرے اور جواہرات نکالتا ہے، اسی طرح جس کے پاس علم زیادہ ہوتا ہے روشنی بھی اس کے پاس زیادہ ہوتی ہے، علم نور ہے، روشنی ہے، اور روشنی زیرو پاور سے لے کر مرکری تک ہوتی ہے، تو جسکی روشنی زیرو پاور کی ہے اس کو کم دکھائی دیتا ہے، اس کو بڑی چیزیں بھی دکھائی نہیں دیتی ہیں اور جس کے پاس بہت بڑا پاور ہوتا ہے، بہت روشنی ہوتی ہے، اس کو چھوٹی چیز بھی نظر آ جاتی ہے، اس لیے جس کے پاس علم زیادہ ہوتا ہے، وہ لڑتا نہیں، گرتا نہیں، وہ ٹکراتا نہیں، وہ غلط کام نہیں کرتا، اس لیے کہ روشنی میں غلط کرے گا ہی نہیں، غلط کام تو لوگ اندھیرے میں کرتے ہیں، جو جاہل ہوگا وہ غلط کام کرے گا، وہ گڑھے میں گرے گا، جو جاہل ہے آپس میں لڑے گا، کھمبے میں ٹکرائے گا، یعنی یہ روشنی ختم ہو جائے جو اس وقت نظر آرہی ہے اور آپ اٹھیں تو آپ کبھی ان سے ٹکرائیں گے، کبھی کھمبے سے اور بسا اوقات جو لوگ آپ کے پاس ہیں، آپ ان کے اوپر پیر رکھ دیں گے، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ اندھیرے میں ہیں، لیکن جب اجالے میں آپ بیٹھیں گے تو کوئی ٹکرائے گا؟ سب دیکھ کر اٹھیں گے کیونکہ ادھر روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے، ایسے ہی جب علم کی روشنی پھیل جاتی ہے تو پریشانی ختم ہو جاتی ہے اور آدمی اطمینان سے سفر کرتا ہے اور گڑھے میں نہیں گرتا اور اسی کو کہا گیا ہے: ﴿وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا﴾ یعنی جب جاہل لوگ بھڑتے ہیں، کٹ حجتی کرتے ہیں، بیکار باتیں کرتے ہیں تو جو عالم ہوتے ہیں، وہ کنارے سے گذر جاتے ہیں۔

ایک گڑھا ہے، گندگی بھری پڑی ہے تو اس میں پتھر مارو گے تو چھینٹیں تو پڑیں گی ہی، تو جو علم والا ہوتا ہے وہ بچتا ہے اور جو تاریکی میں ہوتا ہے وہی غلط کام بھی کرتا ہے، آپ نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا کہ بہت سے لوگ بیٹھے ہوں اور کوئی آکر وہاں جوا کھیلنے لگے، وہ چھپ کر کھیلتے ہیں، اندھیرے میں کھیلتے ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا جہاں اندھیرا زیادہ ہوتا ہے وہیں بیٹھ کر جوا کھیلتے ہیں، شراب پیتے ہیں اور سارے غلط کام کرتے ہیں، تو ایسے ہی جنکے پاس علم آتا ہے وہ تمام چیزوں سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں، جو تاریکی سے نکل کر اجالے میں آجائے گا، وہ غلط کام نہیں کرے گا، بلکہ اپنے داغ دھبوں کو بھی صاف کر لے گا اور اندھیرے میں بیٹھنے سے پتہ بھی نہیں چلے گا کہ کپڑے پر دھبہ کیسے لگا؟ تو ایسے ہی جو عالم ہوتا ہے وہ علم کی روشنی میں اپنے داغ دھبوں کو دھوتا رہتا ہے، اسکو صاف کرتا رہتا ہے، آپ نے دیکھا ہوگا کہ چائے پیتے پیتے کبھی کبھی گر جاتی ہے، چائے ایک ایسی چیز ہے جو اگر گر جائے اور دیر میں دھوئیں تو اسکا داغ اس پر پڑ جاتا ہے، داغ اگر پڑ جائے تو کیا کرتے ہیں؟ فوراً گلاس میں پانی لے کر اس کو دھوتے ہیں یا دامن لے کر گئے فوراً دھو لیا، ایسے ہی جو عالم ہوتے ہیں، اگر کبھی غلطی ہو جائے، گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کرتے ہیں، اپنے داغ کو دھوتے ہیں، دیر نہیں کرتے ورنہ داغ پڑ جاتا ہے تو وہ آسانی سے مٹتا نہیں، بڑی محنت کرنی پڑتی ہے، فوراً دھو لیجیے کام بن جائے گا، اسی لیے ایمان والا جو ہوتا ہے، علم والا جو ہوتا ہے وہ دیر نہیں کرتا اور فوراً اسکا تدارک کرتا ہے، تو علم جو ہے وہ عجیب و غریب چیز ہے، علم انسان کے اندر بلندی پیدا کرتا ہے، قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ: ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک علم کے بہت درجے ہیں، یہ بچے ہیں، ابھی آپ نے دیکھا یہ سارے بیٹھے ہیں، ان کا پہلا، دوسرا، تیسرا کلاس ہے، اسی طرح بچے ایک کلاس سے دوسرے کلاس میں پہونچتے ہیں اور ترقی کرتے





چلے جاتے ہیں، ایسے ہی اللہ جن کو علم دیتا ہے، قرآن کا علم دیتا ہے، حدیث کا علم دیتا ہے تو انکے درجے اونچے ہونے شروع ہو جاتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے کہا: ﴿درجات﴾ درجات قرآن مجید کا لفظ ہے یعنی اتنے درجے جسکو ہم گن نہیں سکتے جیسے آج کل بلڈنگ بن رہی ہے، ابھی ممبئی جانا ہوا ایک صاحب کے یہاں، انکے ۳۵ تلے کی بلڈنگ تھی، سترہویں منزل پر وہ صاحب تھے تو وہاں گئے اور سترہویں منزل پر سے پورا ممبئی نظر آتا ہے۔ وقت نہیں تھا ورنہ ۳۵ تک جاتے، اسمیں کیا تھا لفٹ میں گئے، جس منزل پر جانا ہے بٹن دبا دیا پہونچ گئے، ایسے ہی عقائد کا بٹن ہے، عبادت کا بٹن ہے، معاملات کا بٹن ہے، تعلقات کا بٹن ہے اور معاشرت کا بٹن ہے، لین دین اور حقوق کی ادائیگی کا بٹن ہے، اب دباتے چلے جایئے آپ، اگر آپ پہلی منزل پر ہیں عقیدہ پر تو وہ بنیاد ہے، اگر پہلی منزل نہیں تو آخری نہیں یعنی وہ ڈبہ جو لفٹ کا ہوتا وہ توحید کا ہے اس میں پہلے آپ چلے جایئے، اندر گئے تو آپکا عقیدہ درست ہو گیا، آپکا عقیدہ درست ہو گیا تو آپ اندر گئے اور عبادات آپ نے ٹھیک کر لی تو پہلی منزل اور پھر عبادات میں منزل پر منزل ہیں۔ نماز ہے، روزہ ہے، زکوٰۃ ہے، حج ہے، یہ سب چیزیں ہیں، اذکار ہیں جیسے ہی آپ نے کہا: "سبحان اللہ" ایک دم سے لفٹ اوپر گئی اور "اللہ اکبر" کے کیا کہنے؟ اور لفٹ اوپر جا رہی ہے، اس لیے کہ قرآن کی آیتیں ہیں جنکے بارے میں آتا ہے کہ پڑھتا جا اور چڑھتا جا، اگر کوئی صحیح پڑھنے والا ہو سمجھ کر تو پھر روحانی درجے طے کرتا چلا جاتا ہے بلند ہوتا چلا جاتا ہے، اسکی بلندی کی کوئی انتہا ہی نہیں ہوتی، اسی وجہ سے بہت سے لوگ پہلی منزل ہی میں رہ جاتے ہیں، بعض ۲، ۳، ۴، بہت پہونچے تو دس تک پہونچے، جو اللہ کے غیر معمولی بندے ہوتے ہیں انکے درجات کو کوئی سمجھ نہیں سکتا، انکو معلوم ہوتا ہے کہ بٹن کہاں دبانا ہے، فوراً دبا دیا اور کھٹ سے اوپر، جیسے ایک توپ ہے اور آپ اناڑی ہیں چلانا نہیں جانتے ہیں تو کیا ہوگا؟ اسی طرح علم وذکر ہے، اگر آپ نماز پڑھ رہے ہیں اور آپ نے "اللہ اکبر" کہا، سمجھ کر کہا یعنی بٹن صحیح دبایا، پڑھ لیا یہاں لکھا ہے: اللہ اکبر، سبحان اللہ، الحمد للہ، یہ ساری چیزیں لکھی ہوئی ہیں اور لکھا ہوا کمپیوٹر پر آرہا ہے، جیسے ہی بٹن دبائیں گے اپنے آپ Window کھل جائے گا اور آپ کے درجے بلند ہوتے چلے گئے اور بہت اونچے لوگ ہیں جو ایک ایک چیز سمجھتے ہیں اور دل سے کہتے ہیں تو ان کی بات اور ہو جاتی ہے جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے، ہمارے بزرگوں نے یہ بات کہی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی دو رکعتیں تمام امت کی نمازوں سے بہتر ہیں، تو حضرت ابو بکرؓ اپنی دو رکعت نماز سے اتنا اونچا مقام پاتے تھے، جو ہم آپ پوری زندگی کی نمازوں سے نہیں پا سکتے اور حضرت ابو بکرؓ کی نمازیں حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دو رکعت سے نہیں بڑھ پائیں، آپؐ نبی ہیں، اس لیے آپ کا معاملہ اعلیٰ ہے، تو جو جتنا سمجھ کر کہے گا اور یقین اور دل کی گہرائی کے ساتھ کہے گا اتنا ہی اونچا ہوتا چلا جائے گا، بڑھتا چلا جائے گا، قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿درجات﴾ اللہ تعالیٰ اس کے درجے کو بلند کر دیتا ہے تو اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے اندر بلندی ہو تو پہلے ہم تعلیم حاصل کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "طلب العلم فريضة على كل مسلم" ہر مسلمان پر مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا، علم کا حاصل کرنا فرض ہے، ہمارے حضرت مولاناؒ فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان کا تعلق علم دین سے ایسا ہے جیسا کہ مچھلی کا تعلق پانی سے، اگر پانی سے مچھلی کو نکال دیا جائے تو تھوڑی دیر تڑپے گی پھر مر جائے گی، ایسے ہی اگر کسی قوم کو ختم کرنا ہے تو علم کو ہٹا لیجیے قوم خود بخود ختم ہو جائے گی، اور فرمایا: اور لوگوں کا تعلق دینی اور مذہبی علم سے ایسا ہے جیسا کہ مچھر کا ہوا سے، مچھر ہوا کے سامنے ٹک نہیں پاتا، حضرت مولاناؒ نے مثال بھی دی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ایک مچھر نے نالش کی، کہا: ہوا مجھے بیٹھنے نہیں دیتی، حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت سب پر تھی، سارے چرند و پرند اور جنات سب ان کے زیر سلطنت تھے، انہوں نے کہا اچھا یہ بات ہے، فوراً ہوا کو حاضر ہونے کا حکم دیا، اب جو ہوا آئی تو مچھر غائب ہو گیا، پھر اس وقت آیا جب ہوا نہیں تھی، تو اب ایک کے ہونے اور دوسرے کے نہ ہونے سے فیصلہ کیسے ہو؟ تو اب مچھر اور ہوا جس طرح سے ایک ساتھ نہیں ہو سکتے، ایسا ہی آپ نے فرمایا: لوگوں کا تعلق علم سے ایسا ہے جیسا کہ مچھر کا ہوا سے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو اسلام عطا فرمایا ہے اس کا تعلق علم سے بہت گہرا ہے، اگر خدانخواستہ علم سے ہم کٹ گئے تو ہم اسلام سے کٹ جائیں گے، آج کل بہت سی بستیاں ایسی ہیں جن کا علم سے کوئی تعلق نہیں رہ گیا ہے اور جب علم سے تعلق نہیں رہ گیا اور کہنے کو چاہے مسلمان ہوں، لیکن صحیح معنوں میں اگر دیکھا جائے تو مسلمان نہیں ہیں، اس لئے کہ کچھ بھی نہیں جانتے

پہلا کلمہ نہیں جانتے، کلمہ یاد نہیں، معنی یاد نہیں تو کیسے مسلمان ہیں؟

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مدارس قائم کروادیے اور مدرسے میں کام کرنے والے یہ علماء کرام اپنا کام کررہے ہیں، محنت کررہے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا ہدیہ اور تحفہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اور نعمت ہے، اس کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ نے ان کو کھڑا کیا اور بچے یہاں پڑھ رہے ہیں، اگر ہم توجہ کریں اور استاد بھی توجہ کریں اور آپ بھی کریں گے تو بچے درجے طے کریں گے اور بلند ہوتے چلے جائیں گے، اور آپ دیکھیں گے کہ آپکی آنکھیں روشن ہوجائیں گی کہ آپ کا بچہ کہاں تھا اور کہاں پہونچ گیا؟ یہ معمولی آدمی تھا کچھ نہیں جانتا تھا، نہ کھانے کا سلیقہ نہ پہننے کا سلیقہ، لیکن پھر ایسا بڑھتا چلا جائے گا کہ سارے لوگ اس کی پیروی کریں گے، اس کے پیچھے چلیں گے، اس سے حاصل کریں گے، اس سے سیکھیں گے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے انتظام فرمادیا ہے، اس کی قدر کرنی چاہیے، قدر کی چیز ہے، ایک تو اپنے بچے کو داخل کریں دوسرا تعاون کریں، اور ہمارے اساتذہ اور مدرسوں کو چلانے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ بھی اچھے انداز سے کام کریں اور بچوں کو اپنا بچہ سمجھیں اور ان کو بنانے اور سنوارنے کی پوری کوشش کریں، اور ان کی تعلیم وتربیت کی بھی پوری فکر کریں، انشاء اللہ یہ بچے کل کے ذمہ دار ہوں گے اور بڑے بڑے عہدوں پر بھی فائز ہوں گے، دینی عہدوں پر بھی ہوں گے اور یہ پوری انسانیت کی رہنمائی کریں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

# اسلام کی روح

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

مولانائے رومیؒ اپنی مثنوی میں ایک حکایت لکھتے ہیں کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کے زمانہ میں ایک مسلمان نے اپنے ایک غیر مسلم شناسا کو دعوت اسلام دی، اس منکر نے جواب میں کہا یہ تو بتاؤ کس اسلام کی جانب بلاتے ہو؟ اگر اس اسلام کی جانب بلا رہے ہو، جو بایزید کا ہے تو اس پر میں تمہاری دعوت سے قبل ہی ایمان رکھتا ہوں، اور ان کے ایمان کو اپنے مرتبہ وظرف سے کہیں برتر وبلند تر سمجھتا ہوں، لیکن اگر اس اسلام کی جانب مدعو کررہے ہو، جو خود تمہارا ہے تو ایسے دین کے مقابلے میں میری بے دینی کیا بری ہے؟ آخر تمہارے دین میں کیا خوبی ہے، جس کے لیے میں اپنے باپ دادا کا طریقہ چھوڑ دوں، اپنی ہمیشہ کی عادتیں چھوڑ دوں، اور ایک نیا جادۂ زندگی اختیار کروں۔

کیا آج یہ حکایت ہمارے لئے بے معنی ہے؟ اس مسلمان سے تو کسی ایک منکر نے یہ سوال کیا ہوگا، لیکن آج ہمارے سامنے ہر آریہ، ہر ہندو، ہر عیسائی، ہر غیر مسلم کی زبان اسی سوال کو دہرا رہی ہے، اور ہر منکر ہم سے اسی سوال کا جواب طلب کررہا ہے، اس نبی ﷺ کی امت پر، جس کی نیچی اور شرمیلی نگاہوں پر خود حیا اور غیرت قربان ہوہو جاتی تھی، آج بدمعاشی اور اوباشی، بدنظری اور بدچلنی کے الزامات کھلے خزانہ لگائے جارہے ہیں، ہے کوئی جوان الزامات کو باطل کردے؟ راست بازوں کے اس سردار ﷺ کا کلمہ پڑھنے والے، جس کی امانت ودیانت، سچائی اور صفائی پر دشمنوں تک کو اعتبار تھا، آج دنیا میں ہر طرف بے اعتبار مشہور ہورہے ہیں، ہے کوئی جو انکی بگڑی ہوئی ساکھ کو دوبارہ قائم کردے؟ سچوں کے اس پیشوا ﷺ کے حلقہ بگوش کہلانے والے جسے ”امین“ کا لقب دوستوں نے نہیں، دشمنوں نے دیا تھا، آج حرص وطمع، نفاق ونفسانیت کے شکار ہورہے ہیں، ہے کوئی جوان امراض سے شفائے کلی انہیں دیدے؟

آپ کہتے ہیں کہ مذہب کا درد آپ کے بھی دل میں ہے، آپ فرماتے ہیں کہ اشاعت اسلام کی تڑپ آپ کو بے چین کیے ہوئے ہے، یہ صحیح، لیکن خدارا سوچئے کہ اس کا علاج کیا ہے؟ پرزور مضامین لکھنا، دوسروں کیلئے دل آزار نظمیں لکھنا، دوسروں کے پیشواؤں کی توہین کرنا، دوسروں کی توہین وبے عزتی پر خوش ہونا؟ یا اس کے برعکس خود اپنی زندگی کو نیکی ونیک نفسی، پاکی وپاکبازی، راستی وراست بازی کے قالب میں ڈھال لینا؟ آپ کسی غیر مسلم سے جب دوستی وخیر اندیشی، لطف ومحبت کی بات کہتے ہیں، تو اسے اسلام سے زیادہ قریب کرتے ہیں یا اس کا دل دکھا کر اور اس کے بزرگوں کو اس کے سامنے برا بھلا کہہ کر؟ غیروں کے دلوں کو موہ لینے کی کون سی ترکیب آپ کے ہاتھ میں ہے؟ آیا آپ کی ہنگامہ خیز تقریریں، آپ کی کمیٹیاں، آپ کے جلسے، آپ کے پوسٹر یا اس کے برعکس آپ کا اخلاق، خلوص، آپ کی سچائی اور دیانت، آپ کی پاک نظری اور ذوق خدمت گزاری، آپ کو جس وقت اپنے دین کی محبت مغلوب کرتی ہے تو آپ مولوی جی اور لاچپت رائے کی ہجو میں نظمیں تصنیف کر ڈالتے ہیں، لیکن خود اپنے ہی دل سے پوچھیے کہ ان ہجویہ نظموں سے آپ کتنے ہندوؤں کو مسلمان بنا سکتے ہیں، یا یہ بھی نہ سہی تو یہ کہ کتنوں کو اسلام سے قریب لاسکے ہیں؟

☆☆☆☆☆





فقہ و فتاویٰ

# سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

**سوال:** قربانی کی حقیقت کیا ہے؟

**جواب:** قربانی درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار اور ان کی پیغمبرانہ اور روحانی زندگی کی اصل خصوصیت اور ملت ابراہیمی کی اصل پہچان ہے، یہ محض خون بہانے اور گوشت کھانے کا نام نہیں، بلکہ قربانی نام ہے روح اور دل کو خدا کی راہ میں نچھاور کردینے کا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم﴾ [سورہ حج/۵] (خدا کے پاس قربانیوں کا خون اور گوشت نہیں پہونچتا، اس کے پاس صرف تمہارا تقویٰ پہونچتا ہے)۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ قربانی کا حکم دراصل دل کی قربانی چاہتا ہے، سچ ہے کہ تسلیم ورضا اور صبر وشکر کے امتحان کے بغیر دنیا کی پیشوائی اور آخرت کی نیکی نہیں ملتی۔

**سوال:** قربانی کی فضیلت کیا ہے؟

**جواب:** قربانی کی بہت سی فضیلتیں احادیث میں آئی ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں قربانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس جانور کے ایک ایک بال کے بدلہ قربانی کرنے والے کے ایک ایک گناہ کو معاف فرمادیتے ہیں، حضرت عائشہؓ سے مروی ایک حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قربانی کے دنوں میں قربانی سے زیادہ کوئی بھی عمل اللہ کو محبوب نہیں، قربانی کا یہ عمل قیامت کے دن سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ سامنے آئے گا یعنی اس کے ہر عضو کا بدلہ ملے گا، سینگ، بال اور کھر کا بھی اور جب تم قربانی کرتے ہو تو جانور کا خون ابھی زمین پر نہیں گرتا، اس سے پہلے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پہونچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں تقرب کا ذریعہ بن جاتا ہے، ان روایتوں کے علاوہ اور بھی روایتیں، قربانی کی فضیلت کے سلسلہ میں کتب احادیث میں موجود ہیں۔ [دیکھئے: ترمذی: ۱/۲۷۵]

**سوال:** جس کے پاس وسعت ہو اس کے باوجود وہ قربانی نہ کرے تو کیا صرف اسے ثواب نہیں ملے گا اور قربانی کی فضیلت حاصل نہیں ہوگی یا گناہ بھی ہوگا؟

**جواب:** استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرنے پر صرف اس کے ثواب اور فضیلت ہی سے محروم نہیں ہوگا بلکہ گناہ بھی ہوگا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وسعت کے باوجود جو قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے، مطلب یہ ہے کہ یہ شخص بارگاہ خداوندی میں حاضری کے لائق نہیں ہے۔ [مشکوۃ، باب فی الأضحیۃ: ۱/۱۲۷]

**سوال:** تکبیر تشریق کی حقیقت کیا ہے؟

**جواب:** تکبیر تشریق کی حقیقت یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیلؑ کو اللہ کے حکم کے مطابق قربانی کے لیے لٹایا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو حکم دیا کہ فدیہ لے کر جاؤ، جب یہ فدیہ لے کر آئے تو اس ڈر سے کہیں حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل کو ذبح نہ کر ڈالیں، ”اللہ اکبر“ پکارنے لگے، حضرت ابراہیم نے جب یہ آواز سنی تو بشارت سمجھ کر پکار اٹھے: ”لا الہ الا اللہ واللہ اکبر“ حضرت اسماعیل نے سمجھا کہ فدیہ آگیا ”اللہ اکبر وللہ الحمد“ کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرنے لگے۔ [ردالمحتار: ۱/۵۸۵]

**سوال:** اگر کوئی شخص مردوں کی طرف سے قربانی کرے تو اس کا گوشت خود کھاسکتا ہے یا نہیں؟ یا غرباء ہی میں تقسیم کرنا ضروری ہے؟

**جواب:** اگر مردہ وصیت کرکے مرا ہو کہ میرے مال سے قربانی کرنا تو ایسے قربانی کے گوشت فقراء ومساکین پر صدقہ کرنا لازم ہے، خود نہیں کھاسکتے اور نہ مالداروں کو دے سکتے ہیں، ہاں اگر خود محتاج وفقیر ہوں تو کھانے میں کوئی حرج نہیں، البتہ اگر مردہ کے مال سے قربانی نہیں کی بلکہ اپنے مال سے کی ہے خواہ مردے کی وصیت کی بنا پر کی ہو تو خود گوشت کھاسکتے ہیں اور اپنی صوابدید سے دوسروں کو بھی دے سکتے ہیں۔ [ردالمحتار: ۳/۳۲۶]

**سوال:** عیدالاضحیٰ سے پہلے کچھ کھانا کیسا ہے؟

**جواب:** مسنون یہ ہے کہ عیدالفطر کی نماز کے لیے کچھ کھا کر جائے اور عیدالاضحیٰ میں نماز کے بعد ہی کھائے، اور اس میں قربانی کے گوشت سے آغاز ہو تو اور بہتر ہے۔ ”عن بریدۃ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایخرج یوم الفطر حتی یطعم ویوم الأضحی حتی یصلی“۔ (حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپ عیدالفطر کی نماز کے لیے کچھ کھا کر تشریف لے جاتے تھے اور عیدالاضحیٰ کے دن نماز پڑھنے تک کچھ نہیں کھاتے تھے)۔ [جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ]

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ: بقرعید کے دن نماز سے پہلے کھانے میں کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں، لیکن نماز سے پہلے نہ کھانا چاہیے، مستحب یہ ہے کہ اس روز سب سے پہلے قربانی کا گوشت کھائے جو اللہ تعالیٰ کی ضیافت ہے۔ [فتاویٰ ہندیہ: ۱/۷۲]

☆☆☆☆☆

آداب وفضائل

# ذی الحجہ کے پہلے دس دن۔ فضائل واعمال

خالد فیصل ندوی

اللہ تبارک وتعالیٰ ہی نے زمین وآسمان کو پیدا فرمایا ہے، سورج وچاند کی گردش متعین کی ہے اور دن، ہفتہ، مہینہ اور سال بنائے ہیں اور سال میں بارہ مہینے مقرر کیے ہیں اور ان میں سے چار مہینوں (ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) کو حرمت وعظمت والا قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ: ”جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا ہے، تب ہی سے اللہ تعالیٰ کے یہاں سال کے مہینوں کی تعداد بارہ ہے، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں“۔[توبہ/۳۶]

**فضائل**

ان چار محترم مہینوں میں ایک نہایت ہی حرمت وعظمت والا مہینہ ذی الحجہ ہے اور یہ پورا کا پورا مہینہ سراپا خیر وبرکت کا مہینہ ہے، لیکن اس مبارک مہینہ کے پہلے دس دنوں کی قدر وقیمت بہت ہی زیادہ ہے، قرآن مجید وحدیث میں ان دس دنوں کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورہ فجر[آیت/۱-۲] سورہ بقرہ [آیت/۲۰۳] اور سورہ حج[آیت/۲۸] میں نہایت ہی اہتمام وتاکید کے ساتھ ان دس دنوں کی فضیلت واہمیت بیان فرمائی ہے، اسی طرح احادیث مبارکہ کی تمام بڑی کتابوں میں ان دس دنوں کی خوب زیادہ فضیلت بیان ہوئی ہے، ایک حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان دس دنوں میں کیا ہوا ہر نیک عمل اتنا پسندیدہ اور محبوب ہے کہ سال کے دوسرے دنوں میں کی جانے والی نیکی اتنی پسندیدہ نہیں ہے“۔[بخاری] ان ہی دنوں میں ایک دن عرفہ کا دن[۹رذی الحجہ] ہے، یہ دن تمام دنوں میں سب سے افضل وبرتر دن ہے، حضرت انسؓ سے منقول اثر میں ہے کہ: ”حضرات صحابہ کرامؓ کے درمیان یہ بات مشہور ومعروف تھی کہ ان دس دنوں میں کا ہر دن (فضیلت وبزرگی کے لحاظ سے) ایک ہزار دنوں کے برابر ہے اور عرفہ کا دن دس ہزار دنوں کے برابر ہے“۔[بیہقی] نیز عرفہ کا دن اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت ومغفرت کا دن ہے، حدیث میں ہے کہ: ”جس نے اپنی زبان کی، اپنے کانوں کی اور اپنی آنکھوں کی عرفہ کے دن حفاظت کی تو اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے“۔[بیہقی] اسی طرح عرفہ کا دن جہنم سے رہائی ونجات کا دن ہے، ایک حدیث میں ہے کہ: ”اہل جہنم عرفہ کے دن سے زیادہ اور کسی دن آزاد نہیں کیے جاتے، بلاشبہ اس دن اللہ تبارک وتعالیٰ (اپنی رحمت ومغفرت کے ساتھ اپنے بندوں پر) خصوصی توجہ فرماتے ہیں اور فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں پر فخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ بندے کیا چاہتے ہیں“۔[مسلم] اسی طرح ان دس دنوں کا آخری دن ’یوم النحر‘ (قربانی کا دن) ہے، یہ دسواں سال کے تمام دنوں میں سب سے زیادہ فضیلت وعظمت والا دن ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے عظمت والا دن ’یوم النحر‘ (دس ذی الحجہ قربانی والا دن) ہے، پھر اس کے بعد ’یوم القر‘ (۱۱رذی الحجہ یعنی منیٰ میں ٹھہرنے والا) دن ہے۔[ابوداؤد]

**اعمال**

ان دس دنوں کی اس امتیازی فضیلت کا اصل سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی فضل وکرم کی بناء پر ان دنوں میں تمام اہم عبادتیں (نماز، روزہ، صدقہ وخیرات اور حج وعمرہ) جمع ہوگئیں ہیں اور صرف انہیں دس دنوں میں اسلام کے ایک اہم رکن ’حج‘ کے اعمال کی ادائیگی ممکن ہے، اس فضیلت واہمیت کا تقاضہ یہ ہے کہ ان دس دنوں میں زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کیے جائیں، اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی حاصل کی جائے، اور آخرت بنائی وسنواری جائے، یہی مشیت الٰہی ہے اور یہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن سال کے افضل ترین دن ہیں، ان میں عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب وپسند ہے۔[بخاری] ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ان دس دنوں میں کی جانے والی عبادت کا ثواب شب قدر میں کی جانے والی عبادت کے برابر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان دس راتوں میں سے ایک رات عبادت کا ثواب شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔[ترمذی] اس عمومی ترغیب کے ساتھ ساتھ آٹھویں، نویں، دسویں ذی الحجہ میں نیک اعمال کرنے کی خصوصی ترغیب بھی دی گئی ہے، ایک حدیث میں ان تین راتوں میں عبادت کرنے والوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔[ترغیب] نیز دسویں رات کی عبادت





پر یہ اہم خوشخبری سنائی گئی ہے کہ: ”جو اس رات میں عبادت کرے گا تو اس کا دل اس دن بھی زندہ رہے گا، جب لوگوں کے دلوں پر پژمردگی چھا جائے گی، یعنی قیامت کے دن“۔[ابن ماجہ] اس ترغیب وتاکید کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم تمام اہل ایمان ان دس دنوں میں زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کرنے کا اہتمام کریں کیونکہ ان دس دنوں میں نیک کرنا اعمال کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور ان کا اجر وثواب بھی بہت زیادہ ہے، ذیل میں ان دس دنوں میں مطلوب نیک اعمال کی مختصر تفسیر پیش کی جاتی ہے۔

**۱-نفل نماز اور تہجد کا اہتمام**

ان دس دنوں میں اولاً پنج وقتہ نمازوں (مغرب، عشاء، فجر، ظہر اور عصر) کی باجماعت ادائیگی کا اہتمام تکبیر اولیٰ کے ساتھ کرنا چاہیے، اس کے علاوہ حسب توفیق الٰہی دن ورات میں تہجد پڑھنے کی سعی وکوشش کرنا چاہیے، کیونکہ ان دنوں میں شب بیداری اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ پسند ہے اور اس کا بڑا اجر وثواب حدیث میں بیان ہوا ہے، ایک حدیث میں ان دس راتوں میں سے ایک ہر ایک رات کی عبادت کا ثواب شب قدر کے برابر بیان کیا گیا ہے۔[ترمذی] اور ایک دوسری حدیث میں آٹھویں، نویں اور دسویں ذی الحجہ کی راتوں میں عبادت کو حصول جنت کا باعث قرار دیا گیا ہے۔[ترغیب] اسی بناء پر یکم ذی الحجہ سے دسویں ذی الحجہ تک ہر رات میں جاگ کر عبادت وبندگی کرنا نہایت ہی پسندیدہ ومستحسن ہے اور اسلاف کا یہی معمول رہا ہے، مشہور تابعی حضرت سعید بن جبیرؒ کے بارے میں منقول ہے کہ جب ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن شروع ہوجاتے تو وہ خیر کے کاموں میں اتنی جدوجہد کرتے کہ شاید ہی کوئی ان کی طاقت رکھتا۔[دارمی] نیز انہیں باعمل تابعی سے یہ منقول ہے کہ ان دس راتوں میں اپنے چراغ مت بجھایا کرو یعنی ذکر وتلاوت اور نوافل میں لگے رہا کرو۔[لطائف المعارف]

اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان دس ایام میں ایک اہم ترین دن دسویں ذی الحجہ یعنی قربانی کا دن ہے اور اس دن میں سب سے پہلا کیا جانے والا عمل ’نماز دوگانہ‘ ہے، ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ سب سے پہلے آج جس چیز سے ہم اپنے اس مبارک وعظیم دن کا آغاز کریں گے وہ یہ ہے کہ ہم عیدالاضحیٰ کی نماز دوگانہ پڑھیں گے۔[بخاری] ۲ھ سے آج تک یہ نماز برابر پڑھی جارہی ہے، یہ نماز حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے، حضرت امام احمد حنبلؒ کے نزدیک فرض کفایہ ہے اور حضرت امام مالکؒ وامام شافعیؒ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔[فقہ السنۃ] ہم تمام اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کے اس بیش بہا عطیہ کی پوری طرح قدر کرنی چاہیے اور اس نماز دوگانہ کا شایان شان اہتمام کرنا چاہیے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲ھ میں یہ دوگانہ ادا فرمائی، اس کے بعد ہر سال اس کی بڑی پابندی کی اور لوگوں کو اس کی تاکید فرمائی ہے، اس کا سبب اصلی یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاواسطہ اور ساری امت محمدیہ علے صاحبہا الصلوۃ والسلام کو بالواسطہ یہ حکم عالی فرمایا ہے کہ: ”آپ نماز (عیدالاضحیٰ کی نماز دوگانہ) پڑھئے اور (عیدالاضحیٰ کے دن اونٹوں کی) قربانی کیجئے“۔[کوثر]

**۲-روزہ**

روزہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک بہت ہی قابل قدر وعظمت اور نہایت ہی زیادہ باعث اجر وثواب ہے، اور نفلی روزوں میں اشہر حرم کے روزوں کی بڑی حیثیت ہے اور ذی الحجہ کے روزوں کی شان تو بڑی ہی نرالی ہے، یکم ذی الحجہ سے نویں ذی الحجہ تک روزہ رکھنا بہت مقبول ومستحسن عمل ہے، حدیث میں ان نو روزوں کا ثواب ایک سال کے نفلی روزوں کے برابر بتایا گیا ہے، حضرت ابوہریرہؓ سے مروی حدیث میں ہے کہ: ”ذی الحجہ کے پہلے دس دنوں کی عبادت سے زیادہ اللہ کو کسی اور دن کی عبادت محبوب نہیں، اس کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے، اور اس کی ہرات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ [ترمذی وابن ماجہ] اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے ذی الحجہ کے ان دس دنوں کا روزہ رکھا تو اس کے لئے عرفہ کے دن کے علاوہ پورے سال کے روزوں کا ثواب لکھا جائے گا۔[کنز العمال] اسی طرح سے یوم عرفہ نویں ذی الحجہ کا روزہ بہت ہی زیادہ اہمیت وفضیلت والا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ یوم عرفہ کا روزہ، ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ وتلافی کا باعث ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ”یوم عرفہ (نویں ذی الحجہ) کے روزہ کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے یہ امید رکھتا ہوں کہ یہ روزہ ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ ثابت ہوگا“۔[مسلم] اور ایک حدیث کے مطابق یوم عرفہ کا روزہ ایک ہزار روزوں کے برابر ہے۔ [بیہقی] ان ترغیبی حدیثوں کے ساتھ ساتھ ان روزوں کے رکھنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک عمل بھی ہم تمام اہل ایمان کے لیے بڑا ہی مشعل راہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان روزوں کو

خاص اہتمام و پابندی کے ساتھ رکھا کرتے تھے، ام المومنین حضرت حفصہؓ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان روزوں کو کبھی نہیں چھوڑتے تھے، حضرت حفصہؓ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار کام نہیں چھوڑتے تھے۔ (۱) عاشوراء (دس محرم) کا روزہ، (۲) ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کے روزے (۱-۹ کے روزے)، (۳) ہر ماہ کے تین دن (ایام بیض یعنی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ) کے روزے، (۴) اور فجر کی دو سنتیں۔ [احمد ونسائی] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان قولی و عملی احادیث مبارکہ کی بناء پر، حضرات فقہاء کرامؒ کے نزدیک یکم ذی الحجہ سے نویں ذی الحجہ تک روزہ رکھنا مستحب ہے۔ [فتاویٰ عالمگیری] لیکن دسویں ذی الحجہ سے تیرہویں ذی الحجہ تک یعنی ان چاردنوں کا روزہ رکھنا حرام ہے۔

**۳- حج وعمرہ**

حج اسلام کا ایک اہم رکن ہے، یہ رکن خانہ کعبہ کی زیارت وطواف، سعی مروہ وصفا، رمی جمار، وقوف عرفات ومزدلفہ اور قربانی وحلق وغیرہ، اعمال و ارکان بجالانے پر مشتمل ہے، اس رکن کے سارے اعمال ان ہی دس دنوں میں مشروع ہیں، ان دس دنوں کے علاوہ دوسرے دنوں میں یہ اعمال انجام نہیں دیے جاسکتے ہیں۔

حج بڑی فضیلت واہمیت والا رکن ہے، قرآن و حدیث میں بہت سی فضیلتیں بیان ہوئی ہیں، قرآن کریم میں ایک سورہ اسی نام سے موسوم ہے، اس سورہ میں حج کے احکام مذکور ہیں، اسی طرح متعدد سورتوں (بقرہ/۱۹۶-۲۰۳، آل عمران/۹۷، توبہ/۳) میں حج کے مزید احکام بیان ہوئے ہیں۔ بہت سی احادیث مبارکہ میں حج کی فضیلت وعظمت، اس کا مقام ومرتبہ اور اس کی افادیت واہمیت بہت ہی موثر اور بلیغ انداز میں بیان ہوئی ہیں، ایک لمبی حدیث میں ہے کہ "ایمان وجہاد کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والا عمل حج مبرور (حج مقبول) ہے"۔ [بخاری] اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایمان، ہجرت اور جہاد کے بعد دو عمل ایسے ہیں کہ ان سے بہتر کوئی عمل فضیلت میں نہیں ہے، ایک مقبول حج اور دوسرا مقبول عمرہ۔ [احمد] نیز ایک حدیث میں ہے کہ حج کا بدلہ صرف اور صرف جنت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ حج مبرور کا بدلہ تو صرف جنت ہی ہے۔ [بخاری] ایک حدیث میں ہے کہ حج تمام گناہوں سے صفائی وپاکی کا موجب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لیے حج کیا اور پھر (دوران حج) بے حیائی کی باتوں سے اور گناہ کے کاموں سے بچتا رہا تو وہ حج سے ایسی حالت میں واپس آئے گا کہ اپنی ماں کے پیٹ سے آج ہی پیدا ہوا ہے۔ [بخاری، مسلم] نیز حج گناہوں کی معافی وتلافی کا باعث ہے، ایک حدیث میں ہے کہ اسی طرح حج کرنے سے پہلے کہ تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ [مسلم] اس سلسلہ میں تو حاجی کی شان بڑی نرالی ہے کہ حاجی جس بندۂ خدا کی مغفرت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعاء کرے گا تو وہ بھی معاف کردیا جائے گا، حدیث میں ہے کہ حاجی جس کی بھی مغفرت طلب کرے گا، اسکی بخشش کردی جاتی ہے۔ [بزار] اور حج کرنے والے کا مقام ومرتبہ کس قدر بلند وبالا ہے کہ حج کے دوران وہ اللہ تعالیٰ کا خاص مہمان ہوتا ہے، حضرت ابوہریرہؓ سے مروی حدیث میں ہے کہ حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ [نسائی، ابن ماجہ]

اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ حج ہی کے طرز اور اسی کے بعض اعمال پر مشتمل عمرہ بھی ایک مقبول ترین عبادت ہے، شریعت میں اسکی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ عمرہ گناہوں سے معافی کا باعث ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک کے درمیان تمام گناہ معاف کردیے جاتے ہیں، حج مبرور کا اجر صرف اور صرف جنت ہے۔ [بخاری ومسلم] اسی طرح حج وعمرہ فقر وفاقہ سے محفوظ رہنے کے ضامن ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں بہت ہی موثر انداز میں ان کی تاکید وترغیب فرمائی ہے کہ حج اور عمرہ بار بار کرو، اس لیے کہ یہ فقر وگناہوں کو اسی طرح دور کرتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کے میل کو دور کردیتی ہے۔ [ابوداؤد] یقیناً عمرہ کرنا دین ودنیا کے لیے بہت ہی فائدہ مند ہے، حج کا وقت متعین ہے لیکن عمرہ کا کوئی وقت متعین نہیں ہے، بلکہ سال کے ہر دن میں عمرہ کیا جاسکتا ہے، البتہ رمضان میں عمرہ کرنے کا ثواب حج کے ثواب کے برابر ہے، ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری صحابیہؓ سے دریافت فرمایا کہ اس سال تم نے ہمارے ساتھ حج کیوں نہ کیا؟ صحابیہؓ نے تسلی بخش جواب ومعذرت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب رمضان آئے تو اس میں عمرہ کرو، اس لئے کہ اس میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے۔ [بخاری ومسلم] نیز عمرہ حج کے دنوں میں حج کے ساتھ اور حج سے پہلے اور حج کے بعد بھی کیا جاسکتا ہے۔

(جاری)





تجدید عہد

# یوم عرفہ کا پیغام

راشد نسیم

یوم عرفہ ایک تاریخ ساز دن ہے، جب لاکھوں انسان عہد الست تازہ کرنے میدان عرفات میں جمع ہوتے ہیں، یہ میدان پہاڑوں کے درمیان ایک ویران اور سنسان سی جگہ ہے جو سال بھر غیر آباد رہتی ہے۔ جہاں نہ عمارتیں ہیں اور نہ شاندار رہائش گاہیں، یہاں ۹ ذی الحجہ کو اللہ تعالیٰ کے بندے ساری دنیا سے کٹ کر، تمام مادی آسائشیں اور سہولتیں چھوڑ کر، تمام رشتہ داروں سے ناطہ توڑ کر، دو بے سلے سفید کپڑوں یعنی کفن کے لباس میں حاضر ہوتے ہیں، اور تو اور، خانہ کعبہ سے بھی دور ہوتے ہیں۔ وہ خانہ کعبہ، اللہ کا گھر، ایک پروقار گھر، جس کو دیکھ کر انسان کے قلب مضطرب و بے قرار کو سکون ملتا ہے، آنکھوں کو راحت اور ٹھنڈک پہنچتی ہے، انسان گھنٹوں اس گھر کو دیکھتا ہے لیکن طبیعت ہے کہ سیر نہیں ہوتی، لیکن اس گھر کو بھی چھوڑ کر انسان ویران وبیابان عرفات کے میدان میں حاضر ہوتا ہے۔

میدان عرفات میں ۹ ذی الحجہ کی حاضری ہی دراصل حج ہے، حدیث میں آتا ہے: حج تو عرفہ ہے، یعنی ۹ ذی الحجہ کو زوال آفتاب کے بعد سے طلوع فجر سے پہلے تک عرفات کے میدان میں حاضر ہونے کا نام حج ہے، جو کوئی اس متعین تاریخ کو متعین وقت میں عرفات میں حاضر نہ ہوسکا اس کا حج نہیں ہوا، اس کا کوئی دم نہیں، اس میں کوئی تاخیر نہیں، اس کوئی ازالہ نہیں، وقوف عرفات نہیں تو کچھ نہیں، یعنی حج نہیں ہوا، یہی وجہ ہے کہ بعض مریضوں کو ہسپتال سے بیلی کاپٹروں کے ذریعے اور ایمبولینس کے ذریعے اس خاص وقت میں حدود عرفات میں اس حالات میں لایا جاتا ہے کہ آکسیجن لگی ہوتی ہے، یہ اس لیے کہ جو عرفات میں حاضر ہوگیا، حج اسی کا ہے۔ یہ ہے اصل حج، پھر یہاں اصل اہمیت حاضری کی ہے، نمازیں بھی کم ہوجاتی ہیں، ظہر اور عصر کی ملا کر پڑھی جاتی ہیں، جب کہ مغرب اور عشاء وہاں ادا ہی نہیں کی جاتیں، بلکہ مزدلفہ میں جاکر ادا کی جاتی ہیں۔

عرفات وہ مقام ہے جہاں لاکھوں انسان ایک خاص کیفیت سے دوچار ہوتے ہیں، آنکھوں سے آنسو رواں ہیں، ہچکیاں بندھی ہوئی ہے، ہر طرف گریہ وزاری کے مناظر ہیں، آواز رندھی ہوئی ہے، اپنے رب سے راز ونیاز کررہے ہیں، میدان عرفات کے اس بے آب وگیاہ ویرانے میں یہ خاص کیفیت لوگوں پر کیوں طاری ہوتی ہے؟ یہ بے تحاشا آنسو کیوں بہتے ہیں؟ پھر جو سکون، جو چین، انسان کو اس رونے اور گریہ و زاری میں ملتا ہے وہ دنیا جہان کی دولت وثروت اور مادی سہولتوں میں نہیں ملتا، کیوں؟ میدان عرفات میں کیا ہے؟ یہاں کی حاضری کیسی ہے؟ انسان کا اس میدان، اس جگہ سے کوئی خاص تعلق ہے؟ میدان عرفات میں ایسی کیا چیز ہے کہ نہ صرف وہاں حاضری لازمی ہے بلکہ اس حاضری میں بے شمار انسانوں پر بے حد رقت اور گریہ طاری ہوتا ہے، آخر کیوں؟ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ﴾ [الأعراف: ۷/۱۷۲] (اور اے نبیؐ! لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جب کہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انھیں خود ان پر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا: "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟"۔ انھوں نے کہا: "ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں"۔ یہ ہم نے اس لئے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے)۔

مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے امام احمد، نسائی اور حاکم نے یہ روایت نقل کی ہے کہ یہ عہد واقرار اس وقت لیا گیا جب آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا گیا اور مقام اس اقرار کا وادی نعمان ہے جو میدان عرفات کے نام سے معروف ومشہور ہے۔ (تفسیر مظہری، معارف القرآن، تفسیر سورہ اعراف، آیت/۱۷۳)۔

گویا اس سرزمین عرفات کا انسان سے ایک ازلی تعلق ہے، یہاں انسان کو اس کی اصل یاد کرانی مقصود ہے، یہ وہ جگہ ہے جو انسان کی فطرت میں رچی بسی ہوئی ہے، یہ وہ جگہ ہے جہاں رب سے پہلی ملاقات ہوئی تھی اور عہد ہوا تھا، یہ وہ بات ہے جو انسان کی روح کی گہرائیوں

میں موجود ہے، اس کے شعور میں پنہاں ہے، ۹ذی الحجہ یوم عرفہ کہلاتا ہے، یعنی پہچان کا دن، شناخت کا دن، اپنے رب کی معرفت کا دن، خود آگہی کا دن۔ عرفات میں اصلاً بندہ اپنے رب سے ملاقات کرتا ہے، پہلی ملاقات لا شعور میں ہوئی ہے اور اب یہ دوسری ملاقات شعور کے ساتھ ہو رہی ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس ویرانے میں پہاڑوں کے درمیان بندہ محسوس کرتا ہے کہ جیسے اس کی رب سے ملاقات ہوئی ہو، تبھی تو اس کی بے چینی دور ہوتی ہے، روح کو سکون وقرار ملتا ہے، کیوں کہ انسان اصلاً روحانی وجود ہے، گوکہ جسم بھی ساتھ لگا ہوا ہے، جب انسان کی موت واقع ہوتی ہے تب انسان اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے: کہہ رہا ہوتا ہے: ﴿اِنَّـا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ﴾ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ کیا چیز اللہ کی طرف پلٹ گئی؟ یقیناً وہ روح ہی تو ہے، جسم تو موجود رہتا ہے لیکن بے قیمت اور بے وقعت ہو جاتا ہے، لوگ اس جسم کو مٹی میں دفن کرنے کی جلدی کرتے ہیں، گویا خاک کے پیکر کو خاک میں ملا دینے کی جلدی، اس لیے کہ روح نکلنے کے بعد جو کچھ بچتا ہے وہ مٹی میں ملانے ہی کے لائق ہے، اصل قیمتی چیز روح تو رخصت ہو گئی جس کی وجہ سے اس جسم کی قیمت بھی تھی اور اس عارضی دنیا میں مقام بھی تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی چکا چوند اور عیش کدوں میں وہ سکون نہیں جو عرفات کے میدان، پہاڑوں کے درمیان اس ویرانے میں ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جو انسان کی فطرت میں بسی ہوئی ہے اور رب سے ملاقات ہو تو سکون ملنا ہی چاہیے۔ ربانی روح رکھنے والی مخلوق اپنے رب حضور کے حاضر ہو تو چین اور اطمینان تو ہونا ہی چاہیے، لیکن یہ کیا آنسو بہتے ہیں، گریہ طاری ہوتا ہے۔ آخر کیوں؟ احادیث میں آتا ہے کہ: ”جب بندے پر اللہ کوئی فرشتہ نازل ہوتا ہے تو انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، دل میں رقت طاری ہوتی ہے، آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں“۔ یہ کیفیت تو فرشتوں سے ملاقات پر ہوتی ہے، لیکن اس رقت اور آنسوؤں میں کتنا سکون ہوتا ہے، کس قدر چین ہوتا ہے، اس کا تجربہ بعض لوگوں کو رمضان المبارک کے آخری عشرے میں ہوتا ہے، لیکن عرفات میں بہت بڑے پیمانے پر انسانوں کو یہ تجربہ ہوتا ہے، آنسو بہہ رہے ہیں، لیکن قلب کو طمانیت اور روح کو سکون وقرار ملتا ہے، عرفات ہی تو وہ جگہ ہے جہاں رب سے پہلی ملاقات عالم ارواح میں ہوئی تھی اور حج کے موقع پر ایک مرتبہ پھر انسان اسی جگہ پہنچ جاتا ہے جو اس کی روح میں رچی بسی ہے، کیا کیفیت اور کیسی لذت انسان کو حاصل ہوتی ہے: ﴿اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾.

یہ آنسو خوشی کے ہیں، انسان جب بے پناہ خوش ہو یا بہت زیادہ مطمئن ہو تو اس کے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ یوم عرفہ اپنے آپ کو پہچاننے کا، شناخت کا، خود آگاہی کا، اپنی حقیقت پانے کا دن ہے یہی تو وہ جگہ ہے جہاں رب سے ملاقات ہوئی تھی، قول وقرار ہوا تھا، یہ اعلان اور دعویٰ کیا تھا کہ رب اگر کوئی ہے تو وہی ہے جس نے یوم عرفہ بنایا ہے (شاید کہ وہ ۹ذی الحجہ ہو، جب کہ یہ قول وقرار ہوا ہو)۔ عرفات کا میدان ہی وہ مقام ہے، جہاں عالم ارواح میں اپنے رب سے ملاقات ہوئی تھی، اور یہی وہ جگہ ہے جہاں عرفہ کے دن رب کے حضور کی حاضری ہوتی ہے، اور ایک روایت کے مطابق میدان حشر بھی عرفات ہی ہوگا، یعنی تیسری ملاقات بھی رب سے اسی جگہ پر ہونی ہے۔

عرفات وہ جگہ ہے جہاں رب کو رب ماننے اقرار کیا تھا، یہ عہد انسان کی فطرت میں ہے، حدیث میں ہے: ”ہر پیدا ہونے والا دین فطرت، یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں“۔ [بخاری و مسلم] ایک اور حدیث قدسی ہے: ”میں نے اپنے بندوں کو حنیف یعنی خدا کو ماننے والا پیدا کیا ہے، پھر شیطان ان کے پیچھے لگ گیا اور ان کو صحیح راستے سے دور لے گیا“۔ [مسلم] لہٰذا اس راستے سے انسان ہٹے گا تو چاہے دنیا کتنی ہی رنگین، خوش نما اور چکا چوند کرنے والی کیوں نہ ہو جائے، سکون اور چین انسانیت کو نہیں مل سکتا۔

یوم عرفہ کا پیغام یہ ہے کہ اپنی حقیقت سے آگاہ ہو جاؤ، وہ رب جو اصلاً انسانوں کا رب ہے، اس کی ربوبیت کو انسانی دنیا میں قائم کرو۔ ﴿یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ﴾. [المدثر: ۷۴/ ۱-۳] (اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے، اٹھو اور خبردار کرو اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو)۔

☆☆☆☆☆





خبر و نظر

# عالم اسلام

جاوید اختر ندوی

## اذان کی آواز سن کر ایک روسی دوشیزہ کا قبول اسلام

خالق کائنات اللہ رب العزت کی حکمت بھی عجیب وغریب ہے، کب کس کو کس راہ سے وہ ذات ہادی ہدایت سے نواز دے اور اس کے دل کے نہاں خانہ میں اسلام اور اس کی تعلیمات کو جاگزیں کردے، کوئی نہیں کہہ سکتا، آئے دن ہمارا مشاہدہ ہے کہ اسلام اور اس کی آخری کتاب اور آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض وحسد رکھنے والے جب اس دین اور اس کی نجات بخش تعلیمات کا دل کی صفائی اور انصاف کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں تو وہ اسلام کے اسیر ہوئے بغیر نہیں رہتے، یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں ہے بس اتنا دیکھ لیجیے کہ اذان کے جن کلمات کے ذریعہ اہل ایمان کو اپنے مالک وخالق کے سامنے جھکنے اور سر نیاز خم کرنے کی دعوت دی جاتی ہے، وہ کس قدر آسان، جاذب قلب ونگاہ اور دل کی گہرائیوں میں اثر کر جانے والے ہیں، جن میں دن اور رات کے پانچ اوقات میں بار بار اعلان کیا جاتا ہے کہ دنیا اور دنیا کے ساز وسامان اور مال واسباب اس مالک وخالق کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے، اسی نے تو اس کو پیدا کیا اور وہی کارساز اور مالک حقیقی ہے، بڑائی صرف اسی کی ہے، عبادت کے لائق اس کی ہستی کے علاوہ کوئی اور نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پیغمبر اور رسول ہیں۔

ان کلمات کے اندر وہ کشش اور جاذبیت و نغمگی ہوتی ہے کہ مؤذن کی آواز پر اگر ایک عام آدمی بھی دھیان دے تو اس کا دل ضرور اس کی طرف کھنچے گا، اور وہ یقین کرلے گا کہ وہی ذات ہے جو سب سے بڑا اور سب کا پروردگار و پالنہار ہے۔

کویت سے شائع ہونے والا مشہور ہفت روزہ عربی مجلہ ”المجتمع“ کے مطابق ترکی کے شہر استنبول میں سیر وسیاحت کی غرض سے آنے والی ایک روسی دوشیزہ نے اسلام میں داخل ہونے کا سب کے سامنے اعلان کردیا، ماریہ نامی روسی لڑکی نے ترکی کے شہر قونیہ میں اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا اور اپنا نام ”نور“ رکھ لیا، پچیس سالہ ماریہ قونیہ شہر میں ترکی کے دارالافتاء میں اپنے اسلام کا اعلان کرنے اور اس سلسلہ میں معلومات حاصل کرنے کی غرض سے آئی، قونیہ کے مفتی نے اس کے سامنے اسلامی تعلیمات اور اس کے محاسن وآداب کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا، اور اسی وقت اس لڑکی نے اپنی زبان سے شہادتین ادا کیے اور اپنا نام ”نور“ رکھ لیا۔

ماریہ اپنے اسلام لانے کے تعلق سے کہتی ہے کہ وہ استنبول میں سیر وسیاحت کے دوران اذان کے کلمات، ان کی کشش وجاذبیت اور مؤذن کی آواز سے بہت زیادہ متاثر ہوئی اور اس نے جو کچھ محسوس کیا اور ان کلمات کو سن کر ان کو جو لذت و چاشنی محسوس ہوئی، اس کو وہ لفظوں میں ادا نہیں کرسکتی، اس کا کہنا ہے کہ اس نے دین اسلام کے تعلق سے بہت کچھ پڑھا تھا اور بہت ساری کتابوں کا مطالعہ کیا تھا لیکن پڑھنا اور معلومات حاصل کرنا الگ چیز ہے اور اسلام کو جاننا اور اس کی تعلیمات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنا الگ تاثیر رکھتی ہے اور اس نے مزید کہا کہ وہ اب اسلام کو صحیح معنی میں سمجھنے لگی ہے، وہ خود اس دین پر مکمل طور پر عمل پیرا ہوگی اور اپنی سہیلیوں اور دیگر اعزہ و اقارب کو بھی اس کی جاں بخش تعلیمات سے روشناس کرائے گی۔

یہ امر واقعہ ہے کہ دین اسلام کے ایک ایک حکم اور اس کی ایک ایک تعلیم میں حکیم وعلیم ذات نے جو انسانی فطرت کی رعایت رکھی ہے، اس سے تمام مذاہب یکسر خالی ہیں، اور ایسا کیوں نہ ہو وہی ذات تو آسمان، زمین اور اس کے درمیان تمام مخلوقات کو پیدا کرنے والی ہے، اور ہر جگہ اسی کی حکمرانی ہے۔

## ترکی پولیس میں اب فارغین مدارس بھی

دینی مدارس اسلام کے قلعے ہیں، یہیں سے وہ افراد تیار ہوتے ہیں جو دین وملت اور ملک ووطن کی بیش بہا خدمات انجام دیتے ہیں، زندگی کے ہر محاذ پر وہ اللہ کے مخلص بندے اور ہر ہر قدم میں اس کا لحاظ کرنے والے ہوتے ہیں، دنیا کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو اندازہ ہوگا کہ اسلام کے آنے سے قبل اس کی کیا حالت تھی، اسلام اور رسول اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کے بعد اس کی رُت ہی بدل گئی، اور زندگی کا دھارا اپنے صحیح رُخ پر بہنے لگا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس سال کی مختصر مدت میں انسانیت کو نئی زندگی عطا کی اور اپنے اصحاب واتباع کی ایسی جماعت تیار کردی جو عدل و انصاف، تقویٰ وطہارت، امانت ودیانت، عفت و پاکیزگی اور ہمدردی وخیر خواہی میں اسلام کی زندہ تصویر بن گئے، ان کے بعد یہ وراثت چلتی آرہی ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ہدایات سے آراستہ ہو کر جب یہ طبقہ زندگی کے مختلف میدانوں میں قدم رکھتا ہے تو اس کی شان ہی

کچھ اور ہوتی ہے، اور وہ ہر معاملہ میں دین کے پہلو کو غالب رکھنے کی کوشش کرتا اور دنیا کے عمل کو بھی دین بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

عالمی منظرنامے پر نظر رکھنے والے اس بات سے واقف ہیں کہ ترکی میں جب سے رجب طیب اردگان کی حکومت آئی ہے، انہوں نے بڑی حکمت عملی کے ساتھ غیر اسلامی اور خائن عناصر کو نکال کر ملک وملت کے مخلص افراد کو ہر محاذ پر داخل کیا ہے، ابھی چند روز قبل یہ خبر بھی اخبارات کی زینت بنی کہ ملک کے پچاس سے زائد اعلیٰ افسران وعہدیداران کو حکومت کے خلاف سازش رچنے کے جرم میں معطل کردیا گیا، اس لیے کہ وہ ملک وقوم کے لیے امین نہیں بلکہ خائن تھے، اور وہ اندر ہی اندر ملک کی چولیں ہلا کر رکھ دینا چاہ رہے تھے۔

اس کے بعد اب حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ پولیس اور فوجی افسران میں مدارس کے فارغین اور دوسرے الفاظ میں ملک ووطن کے خیرخواہ، ہر معاملہ میں اپنے رب سے ڈرنے والے، پوری انسانیت کو اللہ کا کنبہ جان کر اس کی خدمت کرنے والوں کی بھی بھرتی کی جائے گی، اس سے جہاں ایک طرف ان کی اس سمت میں بھی خدمات سامنے آئیں گی تو دوسری طرف اسلام کی ایک حسین تصویر بھی ابھر کر سامنے آئے گی اور دنیا بالخصوص مغرب کے اس پروپیگنڈہ کی تردید بھی ہوگی کہ مدارس میں دہشت گرد نہیں بلکہ انسانیت کا درد رکھنے والے افراد تیار ہوتے ہیں اور وہی حقیقی معنوں میں ملک وملت کی خدمت اور پاسبانی ونگرانی کے اہل ہیں۔

ترکی کی حالیہ حکومت نے ملک کی پولیس فورس میں شمولیت کے لیے موجودہ قانون میں درج شرائط میں تبدیلی کرتے ہوئے اب ترکی کے دینی مدارس سے تعلیم یافتہ طلبہ کو بھی سیکنڈری اسکول کے سند کی بنیاد پر پولیس میں شمولیت کا مستحق قرار دیا ہے، چنانچہ آئندہ سال سے ترکی کی پولیس فورس میں ایسے طلباء بھی شامل ہوں گے جن کے مستقبل کو امامت وخطابت اور تدریس قرآن واسلامی علوم تک محدود رکھا جاتا رہا ہے، یقیناً ترکی کی حکومت کی جانب سے دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کے لیے جہاں ایک خوش آئند خبر ہے وہیں پولیس فورس میں دینی شعور اور خوف آخرت جیسے جذبے کی کمی کو بھی دور کیا جاسکتا ہے، یقیناً یہ اقدام دیگر مسلم ملکوں کے لیے ایسا نمونہ ہے جس کو اپنانا دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے فائدے سے خالی نہیں۔

## ماسکو میں دو ملین مسلمانوں کو مساجد کی تلاش

اسلام کے خلاف جس قدر مغرب بغض وعناد رکھ رہا ہے اور روز بروز اس کو نت نئے انداز میں نقصان پہونچانے کی تگ ودو میں لگا ہوا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب حکمت ہے کہ اسی قدر لوگ اسلام کی طرف راغب ہو رہے ہیں اور اس مذہب کو قریب سے جاننے کے لیے جب اسکا مطالعہ کرتے ہیں تو اس کے دامن سے ہمیشہ کے لیے وابستہ ہو جاتے ہیں، اور اس کی تعلیمات پر اس قدر رغبت وشوق کے ساتھ عمل پیرا ہوتے ہیں کہ رشک ہوتا ہے اور مغرب کی وادیوں میں اسلام کی اذان گونجنے لگتی ہے۔

جمعہ کی نماز کے لیے ماسکو کی مسجدیں اور سڑکیں مکمل طور پر بھر جاتی ہیں، اس لیے کہ روس کے دارالحکومت میں واقع جامع مسجد سب سے پرانی اور تاریخی مسجد ہے جو دو ملین مسلمانوں سے مکمل طور پر بھر جاتی ہے چنانچہ جمعہ کے دنوں میں اس تاریخی مسجد کے اندر ہزاروں نمازی آتے ہیں یہاں تک کہ ان میں سے بہت سارے جامع مسجد کے احاطے کے باہر نماز پڑھنے پر مجبور ہوتے ہیں اور اسی بھیڑ کے دوران گاڑیوں کی آوازیں آتی ہیں اور محلہ کے باشندے سڑکوں پر نماز ادا کررہے نمازیوں کے درمیان سے گزرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

رپورٹ کے مطابق یہ صورت حال ماسکو کی چاروں مساجد میں پیش آتی ہیں جہاں جمعہ کی نماز کے لیے ہزاروں مسلمان جمع ہوتے ہیں، جامع مسجد کے امام کا کہنا ہے کہ ذمہ داران نئی مسجدوں کے بنوانے اور مسلمانوں کے لیے سہولت فراہم کرنے سے غفلت برت رہے ہیں جب کہ اس کی سخت ضرورت محسوس کی جارہی ہے تاکہ نومسلم نمازیوں کی تعداد بھی مسجدوں کے اندر آسکے، ان نومسلموں میں زیادہ تر مختلف ممالک سے ہجرت کرکے آنے والے نوجوان ہیں۔

فقروفاقہ، پریشانی اور مصائب ومشکلات کی وجہ سے یہ حضرات روس میں نئی زندگی شروع کرتے ہیں اور ان لوگوں کی تعداد لاکھوں تک پہونچ چکی ہے، جن میں زیادہ تر افراد کا تعلق ازبکستان تاجکستان اور قرغیزستان سے ہے، ازبکستان سے ہجرت کرکے آنے والا نوجوان مہاجر کہتا ہے کہ یہاں ہماری بڑی تعداد پائی جاتی ہے، اب ہمارے اوپر ضروری ہے کہ ہم ماسکو میں مساجد کی تعمیر کی تیاری کریں، اس لیے کہ شہر کی مسجدیں لاکھوں نمازیوں کو اپنے اندر نہیں سمیٹ سکتیں، یہ اور بات ہے کہ دارالحکومت کی مسجد میں بڑی تبدیلیاں اور توسیع ہوئی ہیں لیکن اس کے باجود اس میں تمام نمازی نہیں آسکتے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ ماسکو کے باشندے یہاں آکر بسنے والے مہاجر نوجوانوں کے سلسلہ میں مختلف رائے رکھتے ہیں بعض کا کہنا ہے کہ جب روس کے باشندے گرجاؤں کی تعمیر کرتے ہیں تو ان کے لیے مساجد کی تعمیر میں کوئی ممانعت نہیں ہے جب کہ دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ ڈر اس بات کا ہے کہ ان مہاجرین کا اثر روس کے باشندوں پر پڑے گا اور ان کے رسوم ورواج اور طرز زندگی میں فرق آجائے گا۔

☆☆☆☆☆



ممبئی کے قارئین کی خدمت میں
ممبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے گزارش ہے کہ "تعمیر حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں۔ وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔
ALAUDDIN TEA
44, Haji Building S.V. Patel Road
Null Bazar, Mumbai-400003
Tele Add Cupkettle
Ph: 23460220-23468708

ماہ مبارک کی عبادت مبارک مبارک!
روز عید کی مسرت مبارک مبارک!
پروپرائٹر: ولی اللہ
ولی اللہ جویلرس
WALIULLAH
Jewellers
ALL KINDS OF GOLD, SILVER & DIAMOND JEWELLERY
Mob. 9415090544, 9936672278
Phone : 0522-2627446 (S)
e-mail : waliullahjewellers@gmail.com
Jutey Wali Gali, Aminabad, Lucknow

MAQBOOL JEWELLERS
مقبول جویلرس
جوتے والی گلی امین آباد
Jutey Wali Gali, Aminabad Lucknow
Mob.: 9956069081-9919089014
Shop No. S-13 Gole Market, Mahanagar Lucknow
Ph: 0522-4000130 (S) - 4001130

ممبئی کے قارئین کی خدمت میں
ممبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے گزارش ہے کہ "تعمیر حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔
فردوس کیفے
CAFE FIRDOS
Partly Air Condition
MOGHALAI & CHINESE FOOD
Tel.: 23424781 - 23459921
145, Sarang Street, Crawford Market, Mumbai-400003

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز
اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ
Shirt, Trousers, Coats, Embroidered Sherwanis, Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties
menmark®
Men's Exclusive
MFG. Wholesale, Export & Retail
58, Halwasia Market, Hazratganj, Lucknow-226001

Mohd. Zubair
Mohd. Salman
0522-2618629
09415028247
09919091462
Sahara
FOOTWEAR
wholesale
35, Amethi House, Near Post Office, Aminabad, Lucknow-18

Postal Regd. No. LW/NP/63/2012TO2014
R. N. I. No. UP. Urd/2001/6071
Despatch Date, 10-12 / 25-27

Vol. No. 49 Issue No.23

Fortnightly
# TAMEER-E-HAYAT
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

Ph. Off. : 0522-2740406
Fax : 0522-2741221
E-mail : nadwa@sancharnet.in

10 October, 2012

Quba Awning
Demo Tent And Awning

ایم ۔ کے ۔ ملک

قبا اوننگ

DEMOTENT

مینوفیکچررس

ٹیرس اوننگ ۔ ونڈو اوننگ = ڈوم اوننگ
فکس اوننگ ۔ لان اوننگ ۔ ڈیموٹینٹ

چندراول، (نزد سی آر پی ایف سینٹر)
سروجنی نگر، لکھنو

Chandrawal (Near C.R.P.F. Group Center)
Sarojni Nagar, Lucknow
Tel : (W)0522-2817580 - (W)0522-2817759 - 0522-3211701
Mob.: 9335236026 - 9839095795 -
E-mail: qubaawningup@yahoo.com

Booking Open

2 BHK/ 3 BHK & 4 BHK Premium Flats Available at Affordable Prices

SAITECH GRACE
An Ideal House You Truly Deserve

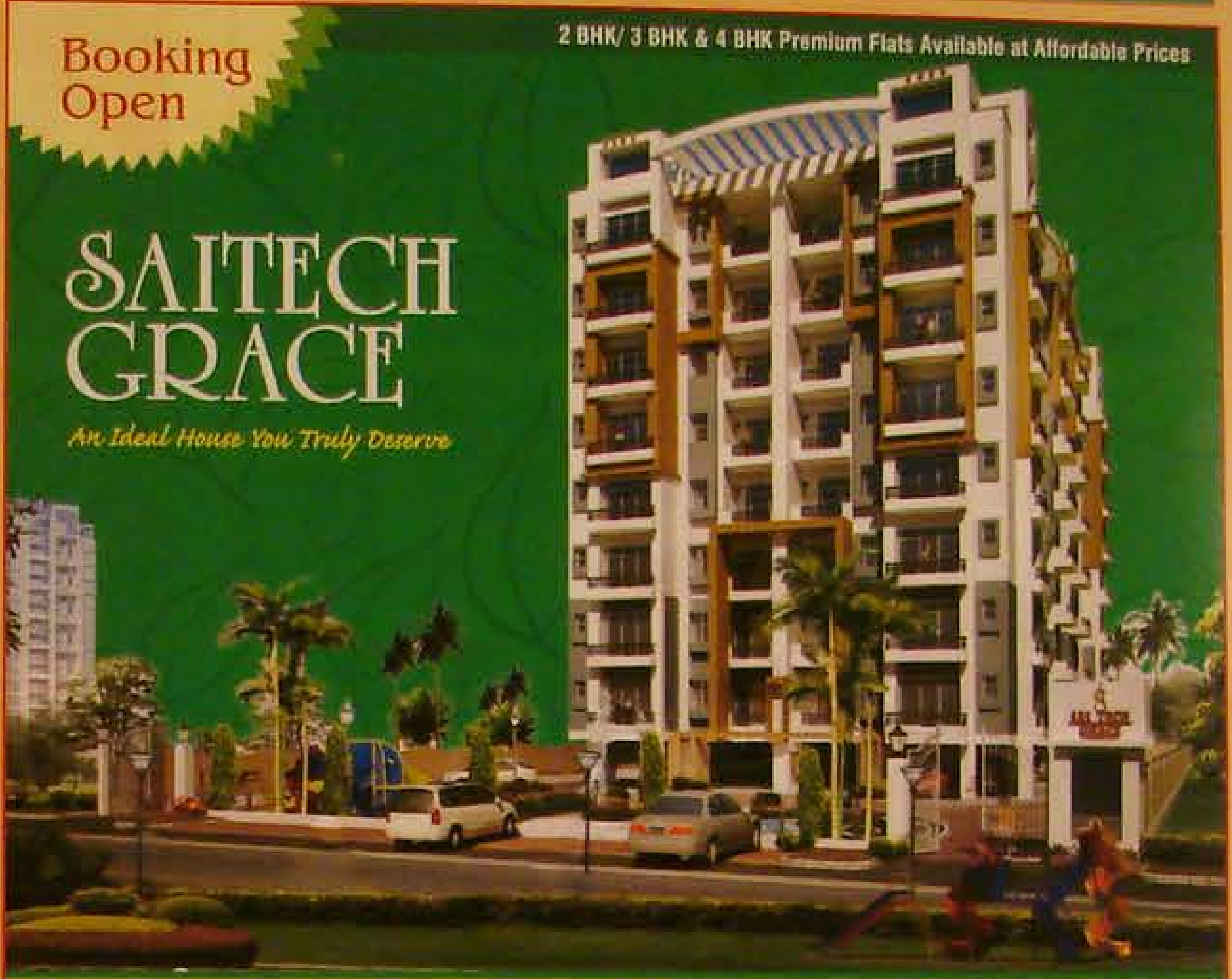

FACILITIES /AMENITIES 24X7 security system, Intercom / EPABX system from Entrance Gate, Power Backup through Generator, Internet connectivity, Pressurized water supply system, High quality single lever bathroom fittings, Open and covered car parking, Children play ground, Jogging / walking track, Gymnasium provision, Automatic high speed lifts, Fire Fighting System, Ample open and covered (stilt and basement)car parking space, Visitor's Parking

BUILDERS & DEVELOPERS
SAITECH INFRASTRUCTURE PVT. LTD.
MAS COLONISERS (INDIA) PVT. LTD.

Corporate Office
06-F.F., Natraj Complex, 11 B.N. Road, Lalbagh,
Lucknow - 226001
Tele Fax : +91-522-4077160
Mob.: 9838456123, 9450200000, 9450931440, 9415022240
Website : www.saitechbuilders.com
E-mail : saitechinfra@gmail.com

Site Office
485/8, Mohan Meakin Road,Daliganj, Lucknow.

لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ روغنیات، عرقیات، کولر پرفیوم، کار پرفیوم، روم فریشنر، فلور پرفیوم، روح گلاب،
روح کیوڑہ، عرق گلاب، عرق کیوڑہ، اگربتی، ہربل پروڈکٹ

خوشبودار عطریات

کی ایک قابل اعتماد دوکان :
ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں

تیار کردہ
اظہارسن پرفیومرس
اکبری گیٹ، چوک لکھنو
برانچ: C-5، جنپتھ مارکٹ، حضرت گنج

IZHARSON PERFUMERS
H.O. : Akbari Gate, Chowk, Lucknow.
Tel : 0522-2255257 Mobile : +91-9415009102
Branch : C-5 Janpath Market, Hazratganj
Lucknow 226001 U.P. INDIA Cell:91-9415784932
E-mail : izharsonperfumers@yahoo.com

Designed By : Future Graphix, Lko. Mobile : 7860632916

Editor *Shamsul Haq Nadwi*, Printed & Published by *Athar Husain*
On behalf Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat at Azad Printing Press Mahboob Building Nazirabad, Lko. Ph: 9415100085